ماہنامہ
اعلیٰ حضرت
بریلی شریف
وہ خدا کے نور کو دیکھ کر بھی جہان والوں میں آ گئے
سرِ عرش جانا کمال تھا کہ وہاں سے آنا کمال ہے
وہاں فاصلوں کی زیادتی سے عنایتوں میں کمی نہیں
کوئی دور رہ کے اویس ہے کوئی پاس رہ کے بلال ہے
جو عطا پہ روز خطا کرے، جو خطا پہ روز عطا کرے
ترے پاس میری مثال ہے، مرے پاس تیری مثال ہے
ترا روضہ ہے مرے سامنے مگر اپنی شکل دکھاؤں کیا
یہ میں کس مقام پہ آ گیا کہ نہ ہجر ہے نہ وصال ہے
شرف ملت سرکار سید اشرف میاں مارہروی
مُدیرِ اعلیٰ
(مولانا) محمد سبحان رضا خاں ''سبحانی میاں''
شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ
جون ۲۰۱۷ء

افطار کے وقت کی پیاری دعائیں

پیش کش: حضرت مولانا الحاج محمد شمیم اشرف ازہری

سابق خطیب جامع مسجد ماریشس

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔اس لئے افطار کے وقت دعائیں مانگنی چاہیے۔عربی زبان میں تو بہت سی دعائیں ہیں،اردو کی بھی کچھ دعائیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ یااللہ! ہمیں ایمان کامل نصیب فرما۔

۲۔یااللہ! ہمیں اخلاص اعمال نصیب فرما۔

۳۔یااللہ! ہماری موت تک ہمارے ایمان کی حفاظت فرما۔

۴۔یااللہ! آخری وقت ہماری زبان پر کلمۂ طیبہ جاری فرما۔

۵۔یااللہ! رمضان شریف کی تمام نعمتوں اور اس کے فیوض و برکات سے مالا مال فرما۔

۶۔یااللہ! اپنی اور اپنے پیارے حبیب کی رضا و خوشنودی والی زندگی عطا فرما۔

۷۔یااللہ! جھوٹ،غیبت،کینہ،تکبر اور تمام برائیوں سے ہماری حفاظت فرما۔

۸۔یااللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو نیک و صالح بنا۔

۹۔یااللہ! میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں میری خطاؤں کو معاف فرما۔

۱۰۔یااللہ! قیامت کے دن آقا ﷺ کی شفاعت اور حوض کوثر سے جام کوثر عطا فرما۔

۱۱۔یااللہ! میرے دل میں نبی کی محبت،صحابہ کی محبت،اسلاف اور اولیاء کی محبت پیدا فرما اور مسلک اعلیٰ حضرت پر گامزن فرما۔

جلد نمبر ۵۷ رشمارہ نمبر ۶

شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ — June 2017
جون ۲۰۱۷ء

مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت، حضرت مولانا الحاج الشاہ

محمد سبحان رضا قادری ''سبحانی میاں'' مدظلہ العالی

سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

نائب مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج

محمد احسن رضا قادری مدظلہ العالی

سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

مجلس مشاورت

مجلس ادارت

زر سالانہ ممبر شپ

فی شمارہ:	20/-
زر سالانہ:	200/-
بیرون ملک:	20$ /امریکی ڈالر

کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی بریلی کورٹ ہی میں قابل سماعت ہوگی (ادارہ)

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر اور ایڈیٹر "مولانا سبحان رضا خاں" نے رضا برقی پریس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اعلیٰ حضرت سوداگران بریلی شریف سے شائع کیا۔

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت

۸۴ / سوداگران بریلی شریف

Monthly Alahazrat
84, Saudagran, Bareilly Sharif
Pin-243003
Contact No.
(+91)-0581-2575683,
2555624 (Fax) 2574627
(Mob) (+91)-9359103539
E-mail: mahanamaalahazrat@gmail.com
E-mail: subhanimian@yahoo.co.in

ماہنامہ اعلیٰ حضرت انٹرنیٹ پر پڑھنے کے لئے
visit us: www.aalahazrat.in

چیک یا ڈرافٹ بنام

MAHANA ALA HAZRAT
A/c No.
0043002100043696
Punjab National Bank Civil Lines Bareilly

کلام الامام - امام الکلام

آنکھیں رو رو کے سُجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

کوئی دن میں یہ سرا اُوجڑ ہے
ارے او چھاؤنی چھانے والے

ذبح ہوتے ہیں وطن سے بچھڑے
دیس کیوں گاتے ہیں گانے والے

ارے بدفال بری ہوتی ہے
دیس کا جنگلا سنانے والے

سُن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

کُشتۂ دشتِ حرم جنت کی
کھڑیاں اپنے سرہانے والے

کیوں رضؔا آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

نوٹ: تمام مشمولات کی صحت و درستگی پر مجلس ادارت کی گہری نظر رہتی ہے پھر بھی اگر کوئی شرعی غلطی راہ پا جائے تو آگاہ فرما کر اجر کے مستحق بنیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی قریبی شمارے میں تصحیح کردی جائیگی۔

نوٹ: ادارہ کا مراسلہ نگار کی تحریر یا مضمون سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

فہرست

ہر ماہ انٹرنیٹ پر ماہنامہ اعلیٰ حضرت پڑھنے کے لیے کلک کریں ہماری اس ویب سائٹ پر۔

Website:-www.aalahazrat.in, E-mail:-subhanimian@yahoo.co.in

E-mail:-mahanamaalahazrat@gmail.com,saleembly@gmail.com

صد سالہ عرس رضوی

صد سالہ عرس رضوی کو تاریخ ساز اور بے مثال انداز میں منانے سے متعلق کچھ اہم تجاویز و معروضات

اداریہ:- مفتی محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

صد سالہ عرس رضوی کب؟ امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت، چشم و چراغِ خاندان برکات، مجدد دین وملت شاہ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز کا وصال ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو ہوا۔ اس لحاظ سے سرکار اعلیٰ حضرت کے وصال کو سن ۱۴۴۰ھ میں ۱۰۰ر سال پورے ہو جائیں گے۔ لہٰذا نومبر ۲۰۱۸ء / ۲۵ر صفر ۱۴۴۰ھ میں ہونے والا عرس رضوی ''صد سالہ'' ہوگا۔

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دنیوی زندگی میں دینی، مذہبی، مسلکی، علمی، فقہی، سماجی، روحانی، عرفانی، خانقاہی اور تصنیفی و تالیفی جیسی بے شمار و بے مثال خدمات انجام دی ہیں جنہیں رہتی دنیا تک کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی عبقری اور ہمالیائی شخصیت کا اقرار واعتراف دنیا کے ہر خطے میں کیا گیا۔ عالمی سطح پر جس خطے میں بھی مسلمان رہتے اور بستے ہیں وہاں ہر جگہ امام احمد رضا کا تذکرہ ضرور سننے کو ملتا ہے۔ یہ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عطیہ، سیدی سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ، سرکاران مارہرہ مطہرہ، دیگر بزرگان دین، اولیائے کاملین اور اکابر اہل سنت کی نگاہِ کرم کی جلوہ سامانیاں ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عالم اسلام اور دنیائے سنیت میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ جس کی نظیر ہمیں ماضی قریب اور زمانۂ حال میں دکھائی نہیں دیتی۔ ہر جگہ، ہر خطے، ہر بستی، ہر شہر، ہر ملک اور ہر سرزمین پر ہمیں اعلیٰ حضرت کے نام کے نعرے لگانے والے بآسانی مل جاتے ہیں۔ زبان و بیان، تہذیب وتمدن، رہن سہن اور شکل وصورت مختلف مگر ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ اُردو زبان ہی میں لگ رہا ہے۔ اردو زبان سے نا آشنا ہیں مگر حدائق بخشش کی عشق بھری نعتیں اُن کی زبانوں سے سننے کو مل رہی ہیں۔ ہندوستانی تہذیب وتمدن سے بے گانہ ہیں مگر نعرہ لگا رہے ہیں تو ''عشق محبت۔ عشق محبت۔ اعلیٰ حضرت۔ اعلیٰ حضرت'' کا۔ بہت سے خطے تو ایسے ہیں کہ جہاں اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کے نمونے برائے نام دکھائی پڑتے ہیں مگر وہاں بھی اعلیٰ حضرت کا تذکرہ زور و شور سے ہو رہا ہے۔

یہ تو تھی عوامی سطح کی بات لیکن علمی دنیا کا اگر جائزہ لیا جائے تو جتنے تحقیقی مقالات، پی ایچ ڈی، ایم فل، کتابیں، کتابچے، فولڈرس اور لٹریچر سرکار اعلیٰ حضرت کی ذات پر ملتا ہے اتنا بہت کم شخصیات پر دیکھنے اور پڑھنے کو ملتا ہے۔ رسائل و جرائد نے جتنے خصوصی شمارے اور نمبر اعلیٰ حضرت پر نکالے اتنے شاید ہی کسی اور شخصیت پر نکالے گئے ہوں۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عوام و خواص کی زبانوں پر جتنا نام اعلیٰ حضرت کا جاری رہتا ہے شاید و باید

ہی اتنا کسی اور بزرگ کا ملتا ہو؟ بلا شبہ یہ ایک خدائی عطا ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ورنہ تو ماضی میں بہت سی عبقری شخصیتیں ایسی گزری ہیں کہ جن کی دینی و مذہبی اور علمی وفنی خدمات کا دائرہ بے شک بہت وسیع ہے مگر یہ شخصیتیں وہ ہیں کہ جن سے صرف اور صرف اہل علم وفن اور خواص ہی متعارف ہیں اس کے برخلاف سرکار اعلیٰ حضرت کو سرکارِ مدینہ کی بارگاہ سے ایسا نوازا گیا کہ خواص تو آپ سے متعارف ہیں ہی مگر عوامی سطح پر اتنی زبردست آپ کو مقبولیت حاصل ہوئی کہ دنیائے سنیت کے بچے بچے کی زبان پر اعلیٰ حضرت کا نام مچلتا دکھائی دیتا ہے۔

صد سالہ کیسے منائیں؟ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی عظیم الشان، نادر المثال اور عبقری شخصیت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کے صد سالہ عرس رضوی کو ایسا تاریخ ساز اور بے مثال منایا جائے کہ جس کی دھمک صدیوں تک محسوس کی جاتی رہے چونکہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات علم وفن کا ایک حسین استعارہ ہے۔اس لیے آپ کے صد سالہ عرس کو ایسے علمی انداز میں منایا جائے کہ جس کی بنیاد پر اسلامی لٹریچر، تصنیف و تالیف، سوانح و تذکرے اور تحقیقی مقالات کے باب میں اہم اور تاریخ ساز مواد کا اتنا اضافہ ہو جائے کہ صدیوں تک امت مسلمہ اور خاص کر اہل سنت و جماعت اس سے مستفیض ہوتے رہیں۔اس سلسلہ میں حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی سے جب باہمی مشاورت ہوئی تو اس جشن صد سالہ کو تاریخ ساز بنانے کے تعلق سے مندرجہ ذیل نکات اور مشورے سامنے آئے۔

☆ جگہ جگہ کانفرنسوں کا انعقاد ہو، سیمناروں اور سمپوزیم کا اعلیٰ سطحی سلسلہ قائم ہو۔

☆ تصانیف اعلیٰ حضرت کی کثیر تعداد میں اشاعت کی جائے۔

رضویات پر جتنا بھی مواد منتشر شکل میں ہوا ُسے جمع کر کے یکجا طور پر شائع کیا جائے۔

☆ رسائل اعلیٰ حضرت کی جدید انداز میں کمپوزنگ کرا کر، تحقیق و تخریج کے مراحل سے گزار کر ازسرِ نو اُن کی طباعت کرائی جائے۔

☆ اعلیٰ حضرت کے جتنے بھی رسائل دستیاب ہیں اُن سب کی تسہیل کرائی جائے اور رسالے کے شروع میں کسی ماہر رضویات محقق سے اُس کا خلاصہ آسان و سہل زبان میں لکھوا کر تقدیم کے طور پر شائع کیا جائے تا کہ عوام و خواص یکساں طور پر استفادہ کر سکیں۔

☆ اعلیٰ حضرت پر جتنے بھی پی ایچ ڈی یا ایم فل کے مقالات لکھے گئے ہیں اُن سب کو حاصل کر کے یکجا انداز میں شائع کیا جائے۔

☆ اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات پر جن جن رسائل نے خصوصی نمبر شائع کئے ہیں اُن سب کو ایک ساتھ جمع کر کے ازسرِ نو شائع کیا جائے۔

☆ ہند و پاک اور دیگر ممالک کے قلمکار حضرات نے جتنے بھی مقالات اور مضامین ذات اعلیٰ حضرت پر تحریر کیے ہیں اُن سب کو حاصل کر کے ایک ساتھ شائع کیا جائے۔

☆ اعلیٰ حضرت کی کتابوں اور تصنیفات کے دیگر زبانوں میں ترجمے کروا کر بڑی تعداد میں شائع کیا جائے۔

☆ اسلامی علوم وفنون کے علاوہ دیگر علوم وفنون پر اعلیٰ حضرت کی جتنی بھی تصانیف ہیں انہیں انگریزی زبان میں ترجمہ کرا کر اس فن کے کسی ماہر اور ایکسپرٹ سے اُس پر تقدیم لکھوا کر شائع کی جائیں۔پھر اِن تصنیفات سے یونیورسٹی کی دنیا میں رہنے اور بسنے والے اہل علم اور اہل فن کو متعارف کرایا جائے۔

☆ اعلیٰ حضرت کی اُردو، عربی اور فارسی شاعری کو جدید نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے ملک اور بیرون ملک کی یونیورسٹیز میں

داخل نصاب کرایا جائے۔

☆ اعلیٰ حضرت کا ایک جامع اور مختصر ایسا تعارف جو اُن کی تمام خدمات کا آئینہ دار ہو مرتب کر کے دنیا کی ہر زبان میں شائع کیا جائے۔

☆ انٹرنیٹ پر اعلیٰ حضرت سے متعلق مواد کو لوڈ کرا دیا جائے۔

☆ آج ای- لائبریری کا چلن بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے اس لیے بہت ہی سہل اور آسان انداز میں اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف کو لوڈ کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں انٹرنیٹ پر موجود کچھ ای- مکتبوں کو معیار بناتے ہوئے اُسی انداز میں یہ کام کیا جائے۔ جیسے اسلامی کتابوں کا سب سے بڑا ای- مکتبہ ''المکتبة الشاملة'' ہے۔ اسی کی طرز پر اعلیٰ حضرت کی کتابوں پر مشتمل ''المکتبة الشاملة الرضویة'' نامی ایک مکتبہ بنایا جائے۔ جس سے بآسانی لوگ استفادہ کر سکیں اور ضرورت پڑنے پر اُن تصانیف کے کسی بھی صفحہ وغیرہ کو ڈاؤن لوڈ کر سکیں۔

☆ رضویات پر کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے جگہ جگہ ایوارڈ دینے کا اہتمام کیا جائے۔

☆ اب سے لے کر ۲۵ رصفر ۱۴۴۰ھ/نومبر ۲۰۱۸ تک دنیائے سنیت میں جتنے بھی جلسے، کانفرنسیں اور پروگراموں کا انعقاد ہو اُن سب میں صدسالہ عرس رضوی کی تشہیر کی جائے۔

☆ جتنے بھی ہمارے مذہبی پروگرام اور اعراس ہوں اُن سب میں ''صدسالہ عرس رضوی ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء مبارک ہو'' لکھے ہوئے بینرز اور اشتہارات آویزاں کئے جائیں، پمفلیٹ تقسیم کئے جائیں اور فولڈرز بانٹے جائیں۔

☆ جتنے بھی اہل سنت کے رسائل ہیں وہ اس موقع پر خصوصی مضامین کی اشاعت کا سلسلہ قائم فرمائیں۔ خاص عرس صد سالہ کے لئے ابھی سے ''خصوصی شمارے'' نکالنے کی تیاری کریں۔

☆ ''صدسالہ عرس رضوی مبارک ہو'' کی سرخیاں رسائل کے سرِ ورق پر ابھی سے دینا شروع کر دیں۔

☆ کتابوں کے جگہ جگہ لگنے والے میلوں میں خصوصی اسٹال لگا کر تصانیف اعلیٰ حضرت سے لوگوں کو متعارف کرایا جائے۔

☆ اہل علم و دانش کو ''صدسالہ عرس رضوی مبارک ہو'' لکھے ہوئے بیگ تقسیم کئے جائیں۔

☆ اپنے عزیز و اقارب کے انتقال پر برائے ایصال ثواب کثیر تعداد میں کنز الایمان شریف یا دیگر تصانیف اعلیٰ حضرت حسب حیثیت تقسیم کرائیں اور اُن پر ''صدسالہ عرس رضوی مبارک ہو'' کی چِٹ لگا دیں۔

حضرت احسن میاں صاحب کی اپیل: اس صد سالہ عرس رضوی کو تاریخ ساز بنانے کے لیے درگاہ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشین حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد احسن رضا قادری مدظلہ النورانی نے ایک اپیل بھی جاری کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

صدسالہ عرس رضوی کے سلسلہ میں اپیل

۲۵ رصفر المظفر ۱۴۴۰ھ میں سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت کے وصال کو ۱۰۰ رسال پورے ہونے جا رہے ہیں۔ ۱۴۴۰ھ/نومبر ۲۰۱۸ء میں صد سالہ عرس رضوی ہوگا۔ رضویات پر کام کرنے والی تنظیمیں تحریکیں، جماعتیں، اکیڈمیاں، لائبریریاں اور ادارے ابھی سے صد سالہ عرس رضوی کو مثالی اور تاریخ ساز بنانے میں جٹ جائیں۔ ہر خطے میں تشہیری مہم شروع کر دیں۔ اپنے علاقوں میں منعقد ہونے والے جلسوں، جلوسوں، عرسوں وغیرہ میں ''صد سالہ عرس رضوی مبارک ہو'' لکھے ہوئے بینر اور پوسٹر ضرور شائع کریں۔ سنی رسائل و جرائد صد سالہ عرس رضوی کی مناسب سے خصوصی شمارے نکالنے کی تیاری کریں۔ تصنیفی اور تالیفی ادارے اور

مکتبے تصنیفات اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کریں۔صد سالہ عرس رضوی کے مبارک موقع پر رضویات پر کام کرنے والے علما،شعرا،مشائخ ،قلمکار،مضمون نگار،مصنفین ،مدرسین،مقررین اور دانشور حضرات کو ایوارڈ سے نوازنے کا جگہ جگہ اہتمام فرمائیں۔

(محمد احسن رضا قادری سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف)

یہ وہ چند معروضات ہیں جو حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی اور اُن کے لخت جگر حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد احسن رضا قادری مدظلہ العالی سے مشورے کے بعد سامنے آئے۔ان کے علاوہ جماعت اہل سنت اور مرکز اہل سنت کی مقتدر اور اساطین شخصیتیں اپنے اپنے طور پر جو بھی رضویات کے فروغ کے لیے مناسب اور بہتر ہوں اُنہیں منظر عام پر لائیں تا کہ اُنہیں خطوط کی روشنی میں سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کے اس ''صد سالہ عرس رضوی'' کو تاریخ ساز بنانے کی کوششیں کی جائیں۔

رضا اکیڈمی کی تشہیری مہم: صد سالہ عرس رضوی کو کامیاب بنانے کے لیے رضا اکیڈمی کے ناظم عالیجناب محترم الحاج محمد سعید نوری صاحب جگہ جگہ تشہیری مہم بھی چلا رہے ہیں اور اہل علم و دانش سے مشورے حاصل کر کے اُن پر کام بھی کر رہے ہیں۔اس سلسلہ میں مؤرخہ ۱۰؍رجب المرجب ۱۴۳۸ھ/ ۸؍اپریل ۲۰۱۷ء بروز شنبہ نوری مہمان خانہ محلّہ سوداگران بریلی شریف میں کچھ معزز علمائے کرام کی ایک اہم مجلس کا بھی انہوں نے انعقاد کیا جس کی سرپرستی حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد احسن رضا قادری سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت نے فرمائی اور صدارت کے فرائض حضرت علامہ الحاج عبد الہادی صاحب قبلہ رضوی افریقی نے انجام دیئے۔اس اہم نشست میں مندرجہ ذیل علماء کے چند اہم خیالات و نظریات سامنے آئے۔

(۱) راقم الحروف محمد سلیم بریلوی۔

☆اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کو المکتبة الشاملة کی طرز پر انٹرنیٹ پر لانے کی ضرورت ہے۔

☆اعلیٰ حضرت کے تخلیقی اور تنقیدی دونوں موادوں کو google پر لانے کی ضرورت ہے تا کہ ہر آدمی آسانی سے اسے پڑھ سکے۔

☆اعلیٰ حضرت کا تعارف زیادہ تر عالمی زبانوں میں انٹرنیٹ پر ہونا چاہیئے تا کہ عالمی میڈیا اعلیٰ حضرت سے بآسانی آشنا ہو سکے۔اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کو تسہیل کے ساتھ عوام میں عام سے عام تر کیا جائے۔

☆مختلف موضوعات پر اعلیٰ حضرت کے رسائل کو موضوع کے اعتبار سے یکجا کر کے ایک ساتھ شائع کرنا چاہیئے۔

(۲) حضرت علامہ مفتی محمد عاقل صاحب قبلہ ،صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف۔

☆ذی علم قلمکار علمائے کرام کو اعلیٰ حضرت کے رسائل خلاصہ لکھنے کے لئے ابھی سے سپرد کر دیئے جائیں تا کہ جشن صد سالہ تک ان کو بآسانی شائع کیا جا سکے اور وہ خلاصہ ہر رسالے کے شروع میں ضم کر دیا جائے تا کہ عدیم الفرصت لوگ خلاصہ پڑھ کر ہی اصل کتاب کی اہمیت وافادیت سے آگاہ ہوسکیں۔

(۳) حضرت مولانا عبد الہادی صاحب رضوی افریقہ۔

☆اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر قائم کرنا چاہیے تا کہ منظّم طور پر اہل سنت و جماعت کے فروغ کا کام ہو سکے۔

☆اعلیٰ حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں پر کام کر کے دنیا کو آشنا کرانے کی ضرورت ہے۔

☆

ترجمہ: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدر الافاضل حضرت علامہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ

پیش کش: مولانا ابرارالحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ:— اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا ۶۷ اور دودھ کی بہنیں اور عورتوں کی مائیں ۶۸ اور اُن کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ۶۹ اُن بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو اُن کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیبیں (بیویاں) ۷۱ اور دو بہنیں اکٹھی کرنا ۷۲ مگر جو ہو گزرا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ نساء پارہ ۴ رکوع ۱۴-آیت ۲۲ تا ۲۳)

تفسیر:- ۶۷ دودھ کے رشتے۔ شیر خواری کی مدت میں قلیل دودھ پیا جائے یا کثیر اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوتی ہے۔ شیر خواری کی مدت حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ۳۰؍ ماہ اور صاحبین کے نزدیک ۲؍ سال ہیں۔ شیر خواری کی مدت کے بعد جو دودھ پیا جائے اس سے حرمت متعلق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے رضاعت (شیر خواری) کو نسب کے قائم مقام کیا ہے اور دودھ پلانے والی کو شیر خوار کی ماں اور اس کی لڑکی کو شیر خوار کی بہن فرمایا۔ اسی طرح دودھ پلائی کا شوہر شیر خوار کا باپ اور اس کا باپ شیر خوار کا دادا اور اس کی بہن اس کی پھوپھی اور اس کا ہر بچہ جو دودھ پلائی کے سوا اور کسی عورت سے بھی ہو خواہ وہ قبل شیر خواری کے پیدا ہوا یا اس کے بعد وہ سب اس کے سوتیلے بھائی بہن ہیں اور دودھ پلائی کی ماں شیر خوار کی نانی اور اس کی بہن اس کی خالہ اور اس شوہر سے اس کے جو بچے پیدا ہوں وہ شیر خوار کے رضاعی بھائی بہن اور اس شوہر کے علاوہ دوسرے شوہر سے جو ہوں وہ اس کے سوتیلے بھائی بہن۔ اس میں اصل یہ حدیث ہے کہ رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ اس لیے شیر خوار پر اُس کے رضاعی ماں باپ اور اُن کے نسبی و رضاعی اصول و فروع سب حرام ہیں۔ ۶۸ یہاں سے محرمات بالصہر یہ کا بیان ہے وہ تین ذکر فرمائی گئیں۔ (۱) بیبیوں کی مائیں (۲) بیبیوں کی بیٹیاں اور (۳) بیٹوں کی بیبیاں۔ بیبیوں کی مائیں صرف عقد نکاح سے حرام ہو جاتی ہیں خواہ وہ بیبیاں مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ (یعنی اُن سے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو) ۶۹ گود میں ہونا غالب حال کا بیان ہے حرمت کے لیے شرط نہیں۔ ۷۰ ان کی ماؤں سے طلاق یا موت وغیرہ کے ذریعہ سے قبل صحبت جدائی ہونے کی صورت میں اُن کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ ۷۱ اس سے متبنیٰ نکل گئے۔ اُن کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور رضاعی بیٹے کی بی بی بھی حرام ہے کیونکہ وہ نسبی کے حکم میں ہے اور پوتے پر پوتے بیٹوں میں داخل ہیں۔ ۷۲ یہ بھی حرام ہے خواہ دونوں بہنوں کو نکاح میں جمع کیا جائے یا ملک یمین کے ذریعے سے وطی میں اور حدیث شریف میں پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کا نکاح میں جمع کرنا بھی حرام فرمایا گیا۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ نکاح میں ہر ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا حرام ہے جن میں سے ہر ایک کو مرد فرض کرنے سے دوسری اُس کے لئے حلال نہ ہو جیسے کہ پھوپھی بھتیجی کہ اگر پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تو چچا ہوا۔ بھتیجی اس پر حرام ہے اور اگر بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھتیجہ ہوا پھوپھی اس پر حرام ہے۔ حرمت دونوں طرف ہے اور اگر صرف ایک طرف سے ہو تو جمع حرام نہ ہوگی جیسے کہ عورت اور اس کے شوہر کی لڑکی ان دونوں کو جمع کرنا حلال ہے کیونکہ شوہر کی لڑکی کو مرد فرض کیا جائے تو اس کے لئے باپ کی بی بی تو حرام رہتی ہے مگر دوسری طرف سے یہ بات نہیں ہے یعنی شوہر کی بیوی کو اگر مرد فرض کیا جائے تو یہ اجنبی ہوگا اور کوئی رشتہ ہی نہ رہے گا۔

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ **محمد سبحان رضا سبحانی میاں** مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر ،سوداگران بریلی شریف

عورتوں کے مساجد میں آنے کا حکم

عن اُم المومنین عائشة الصدیقة رضی الله تعالیٰ عنها قالت:لوادرک رسول الله صلی لله تعالیٰ علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل.

یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرورانہیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کردی گئیں۔(فتاویٰ رضویہ ۴/۱۷۰)

اس حدیث پاک کی روشنی میں عورتوں کے مسجد میں نماز پڑھنے کے تعلق سے میرے جدامجد سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ’’تابعین ہی کے زمانے سے ائمہ نے ممانعت شروع فرمادی تھی۔ پہلے جوان عورتوں کو پھر بڑھیوں کو بھی۔ پہلے دن میں۔ پھر رات میں بھی،مغرب عشاء اور فجر میں فاسق لوگ کھانے اور سونے میں مشغول ہوتے تھے۔باہر گھومنا پھرنا ان اوقات میں مروج نہیں تھا۔اب جبکہ زمانہ میں فساد آ گیا۔فحاشی عروج پر آ گئی تو حکم ممانعت عام ہوگیا۔

کیا اس زمانے کی عورتیں گربے والیوں کی طرح گانے ناچنے والیاں یا فاحشہ دلالہ تھیں اب صالحات ہیں؟ یا جب فاحشات زیادہ تھیں اب صالحات زائد ہیں؟ یا جب فیوض وبرکات نہ تھے اب ہیں؟ یا جب کم تھے اب زائد ہیں؟ حاشا! بلکہ قطعا یقیناً اب معاملہ بالعکس ہے۔اب اگرایک صالحہ ہے تو جب ہزار تھیں۔جب اگر ایک فاحشہ تھی اب ہزار ہیں۔اب اگر ایک حصہ فیض ہے جب ہزار حصے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:**لایاتی عام الا والذی بعدہ شر منه.** ہر آنے والا سال گذشتہ سے بدتر ہوگا۔ بلکہ عنایہ اکمل الدین بابرتی میں ہے۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد سے منع فرمادیا۔وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت لے کر پہونچیں۔فرمایا:اگر زمانۂ اقدس میں یہ حالت ہوتی حضور عورتوں کو مسجد میں آنے کی دعوت نہ دیتے۔ عینی جلد سوم میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عورت سراپا شرم کی چیز ہے۔سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے قریب اپنے گھر کی تہ میں ہوتی ہے اور جب باہر نکلے شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے۔حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ طریقہ تھا کہ جمعہ کے دن کھڑے ہوکر کنکریاں مارتے اور عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے۔امام ابراہیم نخعی تابعی استاذ الاستاد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی مستورات کو جمعہ وجماعت میں نہ جانے دیتے تھے‘‘۔

فتاویٰ منظر اسلام

ترتیب، تخریج ، تحقیق:- حضرت مولانا الحاج محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

بدگمانی سے بچنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کا مکان مسجد سے قریب ہے لیکن مسجد میں فجر کی اذان وصلوٰۃ ہو جانے پر آتا ہے اور نماز جماعت میں شریک ہو کر یعنی نماز سے مکمل فارغ ہو کر چلا جاتا ہے۔ سنت نہیں پڑھتا ہے لہٰذا زید کے لئے کیا حکم شرع ہے؟ جواب عنایت فرمایا جاوے۔

سائل سخاوت حسین، محلّہ ملوک پور گلی جگّن ، بریلی شریف

الجواب :- یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ سنت نہیں پڑھتا ہے؟ ممکن ہے کہ وہ گھر میں پڑھ کر آتا ہو۔ اگر اس کا منشاء محض گمان ہے تو بدگمانی حرام ہے اور از روئے گمان بے تحقیق کسی کی طرف کسی گناہ کی نسبت جائز نہیں **لایجوز نسبة المسلم الیٰ کبیرة کذا فی الاحیاء للامام الغزالی.** اور اگر بثبوت شرعی ثابت ہو جائے کہ وہ سنت فجر نہیں پڑھتا ہے تو البتہ گنہگار ہے کہ سنت کے ترک کی عادت گناہ ہے اور اس پر حضور ﷺ سے ترقی درجات سے محرومی کی وعید وارد ہے۔ حدیث میں ہے: **من ترک سنتی لم ینل شفاعتی** یعنی جو میری سنت کو چھوڑے میری شفاعت نہ پائے۔ علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ حدیث فضیلت شفاعت سے محرومی پر محمول ہے۔ یہ دلیل آنکہ دوسری حدیث میں ہے ۔فرماتے ہیں حضور انور ﷺ : **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** یعنی میری شفاعت میری امت میں کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے والوں کے لیے ہے اور یہ بھی اُس وقت ہے جبکہ سنت کو معاذ اللہ ہلکا نہ جانا ہو ورنہ حقیقتاً تارک سنت **محروم عن الشفاعة** ہے (یعنی جو سنت کو حقیر جان کر ترک کرے) اور اب وہ مرتکب کبیرہ سے بھی بدتر ہے کہ استخفافِ سنت کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ قاضی عبدالرحیم بستوی غفرلہ القوی

۱۹ر شوال ۱۳۹۶ھ

تیجے دسویں میں کھانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو ہمیشہ سے رسم چلی آرہی ہے کہ موت کے بعد تیجہ دسواں ، بیسواں چہلم میں جو کھانا پکایا جاتا ہے مسجد مدرسے کے مدرسین محلّہ کے اقارب سب کی دعوت کی جاتی ہے وہ کھانا جو میت کے نام پر فاتحہ ہوتی ہے سب کھاتے ہیں خواہ صاحب نصاب ہوں یا غیر نصاب والے سب کھاتے ہیں کیا کھانا درست ہے کہ نہیں؟

اظہر حسین محلّہ کٹرہ پختہ آنولہ، بریلی شریف

الجواب:- تیجہ چالیسویں کا کھانا فقراء ومساکین کو کھانا چاہیئے۔ غنی کو اُس سے بچنا چاہیئے لہٰذا امام ومدرسین اگر غنی ہیں تو اُن کو بچنا بہتر ہے اگر کھائیں گے تو کوئی گناہ بھی نہیں کہ حلال ہے۔ اور بزرگوں کی نیاز کا کھانا تبرک ہے ۔غنی وفقیر سب کھائیں ۔البتہ تیجے دسویں کی فاتحہ میں کھانے کی دعوت دینا ممنوع ہے کہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم کے موقع پر واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ ریاض احمد سیوانی غفرلہ

دارالافتاء منظر اسلام سوداگران بریلی شریف

۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

ذکر الٰہی اور اس کے فائدے

از:-حضرت علامہ ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ پیش کش:-مولانا محمد قمر رضا منظری، خطیب و امام سنی رضوی عیدگاہ پورٹ لوئس ماریشس

ایک عالمی مبلغ کو جن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے وہ تمام خصوصیات حضرت علامہ ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں۔آپ نے مرکز اہل سنت جامعہ رضویہ منظر اسلام میں اپنا تعلیمی سفر مکمل کیا خیر سے آپ کو سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں بے مثال شہزادوں کی علمی و روحانی سرپرستی حاصل رہی۔آپ نے سرکار حجۃ الاسلام سے بھی اکتساب فیض کیا اور سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی علمی و روحانی فیضان سے مالا مال ہوئے۔عالمی سطح پر آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت کے جو زریں کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک کبھی بھی فراموش نہیں کیے جا سکتے۔جہاں آپ ایک باصلاحیت عالم،نکتہ رس مفتی،بلند نظر مفکر،دور اندیش مبلغ،اثر انگیز مقرر و خطیب اور شاعر تھے وہیں آپ ایک منجھے ہوئے کہنہ مشق مصنف،قلمکار اور مضمون نگار بھی تھے۔آپ کے مضامین ہند و پاک کے بہت سے رسائل میں شائع ہوتے تھے۔۶۰/اور ۷۰/کی دہائی میں راولپنڈی پاکستان سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''سالک''میں مستقل ''معارف الحدیث'' کے کالم نگار کی حیثیت سے متعدد عناوین پر برابر مضامین تحریر فرماتے رہے۔پیش نظر مضمون ''مقام صدیق عتیق'' کے عنوان پر ایک قیمتی تحریر ہے جسے ماہنامہ سالک،ماہ جولائی ۱۹۵۹ء صفحہ نمبر از ۱۹ تا ۲۰ و ماہ جنوری،فروری ۱۹۶۰ء مطابق رجب وشعبان ۱۳۷۹ھ صفحہ نمبر از ۹ تا ۱۰ سے لیا گیا ہے۔اس سال رمضان المبارک میں جب ماریشس جانا ہوا تو حضور صاحب سجادہ مدظلہ النورانی کی موجودگی میں حضرت علامہ ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ کی قیمتی تحریروں سے متعلق جمع و تدوین سے متعلق میں نے جانشین علامہ خوشتر حضرت مولانا محمد مسعود اظہر خوشتر صدیقی اور نبیرۂ علامہ خوشتر حضرت مولانا محمد سعد خوشتر صدیقی مدظلہما نورانی کے سامنے عرض کی کہ اگر علامہ خوشتر علیہ الرحمہ کی قیمتی تحریروں کے عکس مجھے مل جائیں تو ان کی جمع تدوین وغیرہ کا کام مرکز اہل سنت بریلی شریف سے حضور صاحب سجادہ مدظلہ النورانی کی سرپرستی میں میں انجام دے سکتا ہوں۔مذکورہ دونوں شخصیتوں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی لائبریری میں موجود اس قیمتی مواد کے عکس دینے کو منظور کر لیا۔عزیزم مولانا محمد قمر رضا منظری نے بھی انتہائی دلچسپی کے ساتھ بہت جلد اس قیمتی مواد کی کمپوزنگ کر کے مجھے میل کر دیا۔اس سلسلہ میں علامہ ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ کے منجھلے شہزادے عالیجناب محترم المقام جناب محمد خوشتر صدیقی صاحب سے بھی فون پر گفتگو ہوئی انہوں نے بھی ہر طرح کے قلمی تعاون کی یقین دہانی کرائی۔اب ان شاء اللہ ہر ماہ یہ قیمتی تحریریں ہمارے قارئین کے خوان مطالعہ کی زینت بنیں گی اور بہت جلد ان تمام تحریروں کو کتابی شکل میں ''مقالات خوشتر'' کے نام سے شائع کیا جائے گا۔وللہ الحمد۔(محمد سلیم بریلوی)

پریشانیوں سے نجات کی دوا

مادی دنیا کا ہر فرد پریشان،سکون کی دولت سے محروم نظر آتا ہے۔دولت بھی ہے۔عیش وعشرت کے سامان بھی ہیں۔زمین نے آدم کے بیٹوں کیلئے اپنا خزانہ کھول رکھا ہے۔آسمان کی سخاوت بھی زمین کے مقابلے میں کچھ کم نہیں ہے پھر اس دور ترقی میں ہر روز نت نئے سامان کا اضافہ بھی ہورہا ہے۔دورِ جدید کی چہار دیواری کو

برف کی سلوں سے سینچ کر دیا گیا ہے جس کی ٹٹیاں باغ و بہار کا سامان پیش کر رہی ہیں۔سکون کی فراہمی کے مندرجہ بالا سامان کتنے شاندار ہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ وہی لوگ جو سامان جدید سے گرمی کو سردی اور سردی کو گرمی سے بدل کر راحت وسکون حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اتفاق کہیئے کہ اکثر سکون کی دولت سے محروم ہیں۔اس کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

☆گرمی سردی، کھانے پینے کی چیزیں،عیش وعشرت کے سامان ان کا تعلق مادّہ وجسم سے ہے روح سے نہیں۔روح کی غذا ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی سرمایہ راحت ونجات ہے۔اگر روح مطمئن ہے تو سکون و راحت یقینی ہے۔ورنہ سکون کی تلاش اطمینان قلب وروح کے بغیر فطرت کے خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے اور قلب وروح کے اطمینان کا تمام تر دارومدار ذکر الٰہی پر ہے۔آج کا دور جدید اپنی نئی نئی مشینوں کے ذریعہ جسم کے لیے تو بہت کچھ سامان راحت فراہم کر رہا ہے۔مگر قلب وروح کی راحت تو اس کے بس کا کام نہیں۔اس لیے کہ آج کا معاشرہ ذکر الٰہی کے باب میں کچھ سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔عمل کی منزلیں تو بہت دور ہیں۔اس کی وجہ پہلی نظر میں صرف یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عقل وخرد کی دوڑ نے جہاں مادّی تقاضوں کو اپنانے کی کوشش کی ہے وہاں روحانی قدروں کو کھو دیا ہے۔بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ اس مشینی دور نے ہمیں ایک اونس دے کر ایک تن چھین لیا ہے۔اس پر افسوس یہ کہ ہمیں ایک اونس ملنے کی مسرت تو ہوئی مگر ایک تن چھن جانے پر غم نہ ہوا۔

بہر حال راحت جسم کے لیے اگر سب کچھ ممکن ہے تو راحت روح کیلئے بھی کچھ کیا جا سکتا ہے۔پھر ایسی صورت میں کہ سکون صرف راحت قلب وروح کا نام ہے قرآن حکیم نے اس مسئلہ کو صرف یہ کہہ کر الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔حل فرمایا ہے۔آیئے!اس جملہ کی تشریح حدیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب کوئی شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو یاد کرتا ہوں اور جب کوئی شخص کسی جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کو ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس بندے کی جماعت سے تعداد میں اور پاکیزگی میں زیادہ ہو۔

مندرجہ بالا حدیث ذکر الٰہی کے مقصد میں کس قدر واضح ہے کہ بندۂ ذاکر ایک ایسے مقام پر فائز ہوتا ہے کہ وہ خود مالک حقیقی کا مذکور بن جاتا ہے۔سبحان اللہ!

دوسری حدیث طبرانی کی جو اس سے ملتی جلتی ہے کہ

کوئی بندہ جب مجھ کو اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو عام ملائکہ کی جماعت میں یاد کرتا ہوں اور جب کوئی بندہ مجھ کو کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کا ذکر مقربین فرشتوں میں کیا کرتا ہوں۔

ابونعیم کی روایت اس باب میں کتنی ہمت افزا اور روح پرور معلوم ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میرے بندوں میں میرے دوست اور میری

مخلوق میں میرے ولی وہ لوگ ہیں جو میری یاد
کے شوق میں میرا ذکر کیا کرتے ہیں اور ان
کے ذکر کی وجہ سے میں ان کا ذکر کیا کرتا ہوں۔

قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کو جو نمایاں مقام حاصل ہوگا اور ان کی صورت ذکر الٰہی کی ترجمان ہوگی۔مندرجہ ذیل حدیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ سرکار دو
عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ
قیامت میں کہے گا۔آج کے دن کرم والے
اور ذی شرافت حضرات کو میدان حشر کے لو
گ جان لیں اور آج یہ معلوم ہو جائے گا کہ
حقیقی شرفاء کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یارسو
ل اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد
فرمایا۔مسجدوں کے ذکر کی مجالس میں شریک
ہونے والے۔

شعبان المکرّم ذکر الٰہی کا مہینہ

مالک لیالی وایام نے سورج کی کرنوں سے دن کو درخشاں اور چاند کی ضیا پاشیوں سے رات کو تاباں کیا۔ پر ان میں کاروبار زندگی کے لیے کچھ ساعتیں معین فرمائیں۔دن و رات کو مخصوص اثرات کا حامل کیا گیا جو فطری طور پر ہمارے آپ کے مشاہدات میں آتے رہتے ہیں۔یہ چند جملے میرے اس مضمون کی تائید کریں گے کہ مالک حقیقی نے سال کے بارہ مہینوں میں یقیناً کچھ نہ کچھ خصوصیات عطا فرمائی ہیں ہر مہینہ اپنی خصوصیت و برکت کی ترجمانی کرتا ہے۔مگر اس حرماں نصیبی کو کیا کہیے کہ انگریزی مہینے جنوری تا دسمبر کے تاریخی وثقافتی واقعات یونیورسٹی سے لیکر پرائمری اسکول تک پڑھائے جائیں مگر اسلامی مہینوں کی (مذہبی حیثیت سے قطع نظر) قصداً کہئے یا مغرب پرستی کا جنون بھلایا جاتا اور مُلّا کی بات سمجھ کر ٹھکرایا جاتا ہے۔آیئے اس دور راکٹ وایٹم میں کچھ مذہبی باتیں بعنوان ماہ شعبان ملاحظہ فرمائیں۔

اس عنوان کا حسین باب: اس عنوان کا حسین باب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ زینت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’شعبان میرا مہینہ ہے‘‘ اور اس محبت و پسندیدگی کی وجہ یقیناً یہ ہوسکتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں رب العالمین نے بخشش امت کے بڑے وسائل عطا فرمائے ہیں۔مندرجہ ذیل واقعہ میری اس تحریر کی وضاحت کرتا ہے۔

شعبان کی پندرھویں رات ہے۔چودھویں کا
چاند اپنی کرنوں سے عالم کو منور کر رہا ہے کہ
روح القدس اپنی خادمانہ شان وشوکت کے
ساتھ حاضر ہوکر بارگاہ رسول اکرم میں یوں
عرض کناں ہیں’’اے محمد(تخلیق قدرت کے
آخری اور بے مثال شاہکار)اس رات آپ
دعا میں کوشش فرمائیں کہ اس میں حاجتیں
پوری کی جاتی ہیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امت کی مغفرت سے بڑھ کر اور کیا حاجت ہوسکتی تھی۔فوراً سربسجود اپنے رب سے مناجات کرنے لگے کہ

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمد

اسی عالم میں روح الامین دوسری مرتبہ حاضر خدمت ہوکر امت کی بخشش کا مژدہ سناتے ہیں:

غفر لجمیع. بشّر امتک من لا یشرک بی شیئا. ''اے اللہ کے رسول اپنی امت کو مغفرت کی بشارت دے دیں کہ اللہ نے آپ کی تمام امت کو (جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا) بخش دیا۔''

اپنی امت کے غمخوار علیہ التحیۃ والثناء نے اس مژدہ کو سن کر سر اٹھایا اور مشاہدہ فرمایا کہ آسمان کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

پہلے دروازہ پر فرشتہ پکارتا ہے۔طوبیٰ لمن رکع فی ھذہ اللیلۃ۔ ''اس رات رکوع کرنے والے کے لئے مژدہ ہو''۔

دوسرے دروازے پر یوں ندا دیتا ہے:

طوبیٰ لمن سجد فی ھذہ اللیلۃ. ''اس رات سجدہ کرنے والے کے لئے ہدیۂ مسرت ہو''۔

تیسرے دروازہ پر یہ اعلان کرتا ہے:

طوبیٰ لمن دعا فی ھذہ اللیلۃ. ''اس رات دعا کرنے والے کیلئے شادمانی ہو''۔

چوتھے دروازہ پر صدا دیتا ہے:

طوبیٰ لمن بکی من خشیۃ اللہ فی ھذہ اللیلۃ. ''اس رات اللہ کے ڈر سے رونے والے کے لئے مژدۂ جنت ہو''۔

پانچویں دروازہ پر یوں گویا ہوتا ہے:

طوبیٰ لمن عمل خیراً فی ھذہ اللیلۃ. ''اس رات عمل خیر کرنے والے کے لئے خوشخبری ہو''۔

چھٹے دروازہ پر یوں نغمہ سرا ہے:

ھل من سائل فیعطی سوالہ. ''کیا کوئی مانگنے والا ہے جس کو دیا جائے''۔

ساتویں دروازہ پر مژدہ دیتا ہے:

ھل من مستغفر فیغفر لہ. ''کیا کوئی بخشش طلب کرنے والوں میں سے ہے جس کی مغفرت کی جائے''۔

اس عالم مسرت ورحمت میں احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے فرمایا:

یا جبریل الی امتی تکون ھذہ الابواب مفتحۃ. ''اے جبریل یہ آسمان کے دروازے کب تک کھلے رہیں گے؟'' حامل وحی نے عرض کیا۔''طلوع صبح صادق تک'' اور پھر ان لفظوں میں مژدہ بخشش سنایا۔**ان للہ تعالیٰ فیھا عتقاء من النار بعدد شعر غنم بنی کلب** ''بیشک اللہ کے لئے جہنم سے آزاد ہونے والوں کی تعداد قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بال کے برابر ہے۔

اس واقعہ کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

(۱) حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

شعبان کی پندرہویں رات اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس سب کے گناہ بخش

دیتا ہے لیکن مشرک اور کینہ پر ور نہیں بخشا جاتا۔(ابن ماجہ)

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا شب برأت (شعبان کی پندرہویں شب) اللہ تعالیٰ پہلے آسمان پر نزول رحمت فرماتا ہے۔ پھر اس قدر بخشتا ہے کہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ۔(مشکوٰۃ)

(۳) باب مدینہ علم حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب شعبان کی پندرھویں شب آئے تو قیام کرو۔ عبادت کرو، دن کو روزہ رکھو، کیونکہ اس رات اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت پہلے آسمان پر نزول رحمت فرماتا ہے پھر منادی ہوتی ہے۔ کوئی ہے بخشش طلب کرنے والا جس کو میں بخش دوں؟ کوئی ہے روزی مانگنے والا جس کو روزی دوں؟ الخ (مشکوۃ)

اس حدیث کی شرح میں شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

تمام سال یہ منادی نصف شب کے بعد ہوتی ہے اور شب برأت میں غروب آفتاب سے ہی شروع ہو کر صبح تک رہتی ہے۔(ماثبت بالسنۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جتنے آدمی اس سال پیدا ہوں گے یا مریں گے۔ اِس رات لکھے جاتے ہیں۔ سال کے اعمال اور سال بھر کی روزی لکھی جاتی ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ: انتہائی گندا اور گھناؤنا ہے کہ مندرجہ بالا احادیث کی موجودگی میں بجائے عبادت و ریاضت، قعود و قیام، صلوۃ و سلام کے آتش بازی وغیرہ جیسی بری بدعت کا ارتکاب کیا جائے۔ اس پر یہ عذر لنگ ''بچے نہیں مانتے'' بدتر از گناہ والی بات سے کم نہیں۔ آتش بازی بذات خود گناہ پھر فضول خرچی ہر حیثیت سے وبال دین و دنیا ہے اور اخلاقی نکتۂ نظر سے یہ فعل انتہائی غیر مہذب اور ہندوانہ رسم دیوالی وغیرہ کا چربہ ہے۔

اس رات کام کی باتیں: نماز مغرب کے بعد سورہ یٰسین تین مرتبہ پڑھے۔ ایک مرتبہ خاتمہ ایمان کے لئے۔ دوسری مرتبہ کشادگی رزق حلال کے لئے۔ تیسری مرتبہ درازی عمر مع عافیت کے لئے۔ حضرت خواجہ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ بارہ رکعت نفل پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ پچاس مرتبہ قل شریف پڑھے اور جس قدر ہو سکے اس رات یہ وظیفہ پڑھے۔ **اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی.**

یادر فتگاں: تمام رات یا اکثر حصہ بیدار رہ کر عبادت کریں۔ اپنے لئے، والدین کیلئے اور تمام مسلمانان اہلسنت کیلئے بخشش کی دعائیں مانگیں۔ عبرت اور ایصال ثواب کے لئے شہر خموشاں (قبرستان) کی زیارت کریں اس میں اپنا فائدہ اور آنے والی نسلوں کے لئے درس عمل ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللہ علیہ وسلم۔

منظر اسلام کا ''روشن دِیا'' جاتا رہا

از:-قاری عبدالرحمٰن خان قادری، مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

عطاء و بخشش و فضل و کرم مبارک ہو
دیار نور میں ''خلد نعم'' مبارک ہو
وہ جس کا مشغلہ تھا بس فروغ مسلک حق
اسے نبی کے کرم سے ''اِرَم'' مبارک ہو

اسے حسن اتفاق کہیئے یا ''فضل خاص'' کہ ۱۵/ جنوری ۱۹۴۴ء کو ہندوستان کے ''صوبہ راجستھان'' میں پیدا ہونے والی عظیم علمی وروحانی شخصیت، ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت، حافظ وقاری علامہ محمد حنیف صاحب رضوی، ارض حرم مکۂ مکرمہ میں ۵/ جنوری ۲۰۱۷ء کو اس ''دار ناپائیدار'' سے ''دار سکون وقرار'' کی طرف رحلت کر گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اللہ رب العزت نے جس تاریخ میں انہیں دنیا میں بھیجا اسی تاریخ میں دنیا سے انہیں اٹھالیا۔ ان کی روح کا جوہر عظیم ''صدف جسم'' سے آزاد ہوکر آسمانوں کو مہکاتا ہوا زیر عرش علا ''علیین'' میں محفوظ ہوگیا۔ ان کے اہل خانہ ان کے انتقال پر سسکتے بلکتے اور آہیں بھرتے رہ گئے مگر وہ ''قید خانۂ دنیا'' سے آزاد ہوکر مسرت وشادمانی اور فرحت وانبساط کے باغوں میں داخل ہوگئے جہاں بہار ہی بہار اور قرار ہی قرار ہے۔

وہ دنیا سے چلے گئے مگر بہت سی یادیں، بے شمار خدمات اور اہل حق وصداقت کو زندگی گزارنے کے لئے ''روشن خطوط'' اور ''پُر انوار راہیں'' چھوڑ گئے۔ وہ دین کے لئے جینا ''زندگی'' اور دنیا کیلئے جینا ''موت'' تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دنیا نہیں کمائی بلکہ دنیا میں رہ کر آخرت کا انتظام کیا۔ ان کے دل کی خواہش وتمنا یہی تھی کہ ''سرزمین حرم'' ان کا مدفن ہو۔ وہ سرزمین جہاں فرشتوں کی شب وروز آمد ورفت ہے، جہاں قدسیوں کا میلہ لگا رہتا ہے، جہاں صبح ومسا انوار وتجلیات ربانی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، جہاں پہونچ کر ''بندگان خاص'' ''تقرب خاص'' کی ''منزل رفیع'' پاجاتے ہیں، جہاں کی صبح ''نورفشاں'' جہاں کی شام ''عطر بیز'' اور جہاں کا لمحہ لمحہ ''تجلی نور'' میں نہایا ہوا۔ وہاں کسی بندۂ مومن، حافظ قرآن، عالم باعمل اور مبلغ اسلام کا دنیا سے رخت سفر باندھنا کوئی معمولی اور قابل فراموش واقعہ نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۹۷۲ء سے آخر حیات تک لگاتار برطانیہ میں رہکر اہل جہان کو عشق رضا اور حب غوث الوریٰ کے جام شیریں سے سرشار کرتے رہے۔ غوث اعظم کا ذکر جمیل، اعلیٰ حضرت کی خدمات کا تعارف اور قرآن وحدیث کے نور سے لوگوں کی زندگی منور وتاباں کرنا، سنتوں کا درس دینا، ضلالت وگمراہی سے بچانا اور اعلیٰ حضرت کا عاشق وشیدا بنانا ان کی زندگی کا حسین مشغلہ رہا۔ بولٹن اور اسکے اطراف میں رضویت کا مشن اور سنیت کا کارواں اگر کسی نے آگے

بڑھایا ہے تو اسی ذات کا نام علامہ حنیف رضوی ہے۔

(بقول محمد میاں خوشتر) انھوں نے اپنی رحلت سے کئی سال قبل امام غوثیہ مسجد (بولٹن) مولانا ''محمد محسن صاحب'' سے فرمادیا کہ ''آپ مجھے غسل بھی دیں اور جنازہ بھی پڑھائیں'' ان کی یہ تمنا رب نے پوری فرمائی کہ اس سفر عمرہ وزیارت میں مولانا موصوف ان کے ہمراہ تھے اپنی وفات سے تقریباً سات گھنٹے قبل علامہ حنیف صاحب رضوی نے اپنی رحلت کی خبر دے دی۔ واقعی ''بندۂ مومن'' سے کرامات کا ظہور وصدور ہوتا ہے یہ حضرت علامہ کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ ۵/ جنوری ۲۰۱۷ء بعد اذانِ مغرب (شب جمعہ) آپ نے اس دارفانی سے کوچ کیا۔ دوسرے دن بعد نماز جمعہ حرم کعبہ میں انبوہ کثیر نے آپکی نماز جنازہ ادا کی۔ بعدہ مولٰینا محسن صاحب نے حسب وصیت وادئ منیٰ کے قریب آپکی نماز جنازہ ادا کرائی۔ اس سفر مقدس میں آپکے بہت سے عقیدتمندوں کے علاوہ آپکے فرزند ارجمند ''محمود رضا صاحب'' اور آپ کی اہلیہ محترمہ ہمراہ تھیں۔ آپکے پسماندگان میں ''اہلیہ محترمہ'' دو۲/ پسران والا شان'' ۱:۔ جناب احمد رضا صاحب ،۲:۔ محمود رضا صاحب۔ اور دو۲/ صاحبزادیاں شامل ہیں۔ خطیب الاسلام حضرت علامہ قمرالزماں صاحب اعظمی اور برطانیہ کے اکثر علماء وحفاظ وقراء وائمہ نے اس عظیم سانحے پر گہرے غم وافسوس کا مظاہرہ کیا۔ شہزادۂ خوشتر مولانا مسعود اظہر صاحب نے اسے قوم وملت کا زبردست نقصان بتایا۔ صاحبزادۂ بلند اقبال محترم جناب محمد میاں صاحب نے بتایا کہ ہماری تمام علمی وادبی سرگرمیاں انہیں کی رہین منت ہیں۔ ہم تمام بھائیوں کی وہی سرپرستی فرماتے تھے۔ وہ کیا گئے کہ ہم ایک شفیق وکرم فرما سرپرست سے محروم ہو گئے۔ والد صاحب علیہ الرحمہ (علامہ خوشتر صاحب) نے ہمیں دین وسنیت کی راہ پر گامزن کیا۔ عشق رضا کے جام سے سرشار کیا اور علامہ حنیف صاحب قبلہ نے ہمیشہ اپنی نیک دعاؤں کے سائے میں رکھا اور کبھی ''مسلک رضا'' کی ''مستقیم راہ'' سے ہٹنے نہ دیا۔

حضرت علامہ مولانا محمد حنیف صاحب رضوی ۱۹۶۳ء میں علوم دینیہ سے فراغت پانے کے بعد ہندوستان کے مختلف اضلاع میں دین وسنیت کا چراغ جلاتے رہے۔ کہیں امامت وخطابت تو کہیں تدریسی خدمات۔ مقصد بس ایک ہی تھا ''مسلک اعلیٰ حضرت کا فروغ'' آپ جہاں بھی رہتے جہاں بھی جاتے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کا چراغ روشن کردیتے۔ رضویت کی اشاعت آپکا اصل مطمح نظر تھا۔ خلافِ مسلک حق کوئی قول، کوئی سرگرمی گوارہ نہیں۔ سنت کے مطابق زندگی کے شام وسحر گزارنا، اپنی رفتار وگفتار اور احوال واطوار کو سنتِ نبوی کے پرنور سانچے میں ڈھالنا، عوام کو احکام شرع کی تعلیم وتلقین کرنا، خلاف شرع کاروائیوں پر ''چیں بہ جبیں'' ہوجانا، مسلک حق مسلک اعلیٰ حضرت کی بات کرنا اور اسی کے جام اپنے احباب ومتعلقین اور حلقۂ اثر کو پلانا آپکی زندگی کا حسین ترین مشغلہ رہا۔

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد! میں دنیا سے مسلمان گیا

۱۹۷۲ء میں برطانیہ پہونچ کر دین وسنیت کی خدمت میں ہمہ تن اور ''ہمہ دم'' مصروف ہوگئے۔ بولٹن میں رہکر پورے برطانیہ کو آپ نے دعوت دین اور ''پیغام رضا'' پہونچایا۔ ۱۹۷۲ء میں بولٹن کے مذہبی حالات تسلی بخش اور قابل اطمینان نہ تھے۔ آپ نے

حالات کا رخ بدلا۔مخالف ہواؤں کا ڈٹ کر مقابلہ بھی کیا۔آپ نے حالات سے دل برداشتہ ہوکر ہمت نہ ہاری اور نہ حالات کے سامنے سر جھکایا بلکہ حالات کو اپنے سانچے میں ڈھالا۔رضا کے نام کا جام پلا کر ایسا سرشار کیا کہ کل جو لوگ اعلیٰ حضرت سے واقف نہ تھے وہ آج اعلیٰ حضرت کے مداح وگرویدہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کے عامل وتبع بن گئے۔

آپکے ''ورود مسعود'' سے قبل بولٹن میں اہلسنت کی ایک بھی مسجد نہ تھی آپ نے انتہائی ہوشمندی ودانائی اور متانت وسنجیدگی کے ساتھ ''خالصاًلوجه الله'' دین کا کام کیا یہ اسی اخلاص ووفا شعاری کا نتیجہ ہے کہ آج بولٹن میں تقریباً ۱۱ درجن اہلسنت کی مسجدیں ہیں۔جن کے آپ سرپرست رہے۔یہ خدمات آپکی زندہ وتابندہ کرامات ہیں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔آپ تاجدار اہلسنت ،مرشد برحق ،حضور مفتیٔ اعظم ھند علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندہ و تابندہ کرامت ہیں۔منظر اسلام میں تعلیم کے دوران ایک موقع پر یوپی اور بہار وبنگال کے طلبہ نے آپکی زبان وگفتگو کا مذاق اڑادیا (چونکہ آپ راجستھان کے تھے اور اردو سلاست کے ساتھ نہیں بول پاتے تھے) جس سے آپ سخت دل برداشتہ ہوکر آستانۂ اعلیٰ حضرت میں حاضر ہوئے اور زار وقطار رونے لگے۔حضرت علامہ ابراھیم رضا خاں صاحب ''جیلانی میاں'' علیہ الرحمہ کو معلوم ہوا۔حضرت نے بلا کر سینے سے لگایا اور فرمایا: ''تم ہمارے ساتھ رہو ہم زبان کا دھنی بنا دیں گے'' اسکے بعد حضرت جیلانی میاں کے ہمراہ آپ بڑے بڑے جلسوں میں شرکت کرنے لگے۔مرشد برحق حضور مفتیٔ اعظم نے اپنی نیک دعاؤں سے نوازا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا روحانی فیض شامل حال رہا۔جیلانی میاں کے قرب نے ''کندن'' بنادیا۔جسے پہلے اردو بولنا دشوار تھا ان بزرگوں کی کرامت قرب سے وہ فصاحت وبلاغت کا شہسوار بن گیا۔راقم الحروف نے ان کی کئی تقریریں سنیں جو شاندار لب ولہجے اور عمدہ انداز بیان پر مشتمل تھیں۔آپ کا شمار حضرت جیلانی میاں کے خصوصی تلامذہ میں کیا جاتا ہے۔آخری وقت حضرت جیلان میاں کے سرہانے یٰسین شریف کی تلاوت کرنے والے بھی آپ ہیں۔(بہ روایت مولانا مسعود اظہر مانچسٹر)

حضرت علامہ ابراھیم خوشتر صاحب صدیقی (خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند) کی ذات ستودہ صفات بھی قابل ستائش اور لائق اتباع ہے۔موصوف نے یورپ برطانیہ اور افریقہ کے ملکوں میں دین وسنت کی جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ان کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔حضرت علامہ ابراھیم خوشتر صاحب نے اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے رضا کیلئے۔اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ ''رضا کی بات'' کے لئے شب وروز کام کیا۔ان کے کام وخدمات کے جلوے جابجا بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔خلوص دلی کا یہ عالم کہ اگر کوئی مرید اپنے گھر میں آپکا نام کندہ کراتا تو اسے ہٹواتے اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا نام لکھواتے۔اگر کسی مسجد یا مدرسے کا نام آپکے نام پر رکھا جاتا تو پسند نہیں کرتے بلکہ اعلیٰ حضرت کے نام سے موسوم کرادیتے۔ماریشس کی ''رضا مسجد'' اسکی زندہ مثال اور ''تابندہ'' دلیل ہے۔حضرت علامہ ابراہیم خوشتر صاحب صدیقی علیہ الرحمہ کی پوری زندگی کی نمایاں جھلک ان کے ان

چار مصرعوں میں نظر آئی ہے۔

متاع زندگی میری یہی ہے
شہ بغداد کا ہوں میں بھکاری
رہی دھن مسلک احمد رضا کی
اسی میں زندگی ساری گزاری

وہ تو دنیا سے رخصت ہو گئے مگر بہت سا کام چھوڑ گئے جسکی تکمیل میں ان کے بعد حضرت علامہ مولانا محمد حنیف صاحب اور ان (خوشتر صاحب) کے صاحبزادگان نہایت اخلاص و مستعدی کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ ان دونوں حضرات (علامہ ابراھیم صاحب خوشتر اور علامہ حنیف صاحب رضوی) میں بڑے گہرے دینی تعلقات و روابط تھے اور کیوں نہ ہوں دونوں ایک ہی ''میکدۂ عشق'' سے سرشار ایک ہی ''باغ سدا بہار کے گلچیں، اور ایک ہی منزل فلاح کے مسافر تھے۔ دونوں کی گردنوں میں ایک ہی مرشد حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی بیعت وارادت کا قلادہ، دونوں ایک ہی درسگاہ یعنی یادگار اعلیٰ حضرت، دار العلوم منظر اسلام سے فارغ التحصیل اور دیار اعلیٰ حضرت میں رہکر اعلیٰ حضرت کے روحانی و علمی فیضان کے بحر بیکراں سے شاد کام تھے۔ اسی رشتۂ روحانی کا لحاظ کرتے ہوئے علامہ ابراھیم خوشتر صاحب صدیقی نے وصیت کی تھی کہ ''میرے جنازے کی نماز مولانا حنیف صاحب پڑھائیں''۔ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ ان کے جنازے میں بڑی بڑی قد آور علمی وخانقاہی شخصیتیں شریک ہوئیں۔ بریلی شریف سے تحسین ملت حضرت علامہ مفتی محمد تحسین رضا خاں صاحب اور صاحب سجادۂ آستانۂ اعلیٰ حضرت، مولانا الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں صاحب قبلہ سبحانی میاں نے شرکت فرمائی۔ ہر سال ان کی خانقاہ عالیہ واقع پورٹ لوئس ماریشس میں ان کا عرس ان کے شہزادگان وعقیدت مندان کی جانب سے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ ماہ جمادی الاخریٰ میں منایا جاتا ہے۔ جس میں کئی ممالک سے علماء اور ارباب عقیدت شرکت کرتے ہیں۔

ناشر مسلک اعلیٰ حضرت علامہ حنیف صاحب رضوی (بولٹن) حرم مکۂ مکرمہ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے دل کی خواہش بھی یہی تھی کہ ارض حرم پر انکی روح قفس عنصری سے پرواز کرے۔ انہوں نے اپنی رحلت سے ایک ہفتہ قبل۔ زیارت حرمین شریفین کی روانگی کے موقع پر اپنے احباب کی جانب سے منعقدہ الوداعی تقریب میں بھیگی پلکوں کے ساتھ اپنی گفتگو میں اس خواہش کا اظہار کیا'' کاش اس ارض مقدس سے میری واپسی نہ ہو'' وہ وقت مقبولیت کا تھا۔ بارگاہ رب العلیٰ میں یہ الفاظ مقبول ہو گئے۔ ان کے مولیٰ نے انہیں نواز دیا۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ وہ اس قید رنج ومحن سے آزاد ہو کر راحت وتسکین، کیف و نشاط اور فرحت وانبساط کے بے مثال باغ میں داخل ہو گئے۔ وہ عالم باعمل تھے۔ متبع سنت تھے، عاشق اعلیٰ حضرت تھے، ذکر رضا ان کی روحانی غذا تھی۔ تبلیغ حق ان کا مشن تھا۔ زندگی بھر لوگوں کو پیغام اعلیٰ حضرت پہونچاتے رہے۔ ان کے اعمال وخدمات میں خلوص کا نور تھا ان کا ''سینۂ بے کینہ'' عشق صادق کا گنجینہ تھا۔ یہ ان کے اخلاص دل اور جذبۂ صادق کا ہی ثمرہ ہے کہ ارض حرم میں جمعۂ مبارک کے دن کی نماز جنازہ اور تدفین عمل میں آئی۔ جمعۂ مبارک کے دن فوت ہونے والے مرد مومن کی قسمت کا کیا ہی کہنا۔ بہار شریعت میں لکھا ہے'' جو

مسلمان شب جمعہ یا روز جمعہ یا رمضان مبارک کے کسی دن رات میں مرے گا۔سوال نکیرین وعذاب قبر سے محفوظ رہے گا'' (حصہ اول ص۱۶)۔اس مفہوم کی حدیث پاک بھی کتب حدیث میں مذکور ہے۔

سوچیے! یہاں تو برکتوں کا جم غفیر ہے۔دنیا سے جانے والا عالم باعمل بھی ہے حافظ قرآن بھی ہے مکّہ مکرمہ کی سرزمین مین رحلت،حرم کعبہ میں نماز جنازہ،اورسید الایام جمعہ مبارک کا دن۔اور پھر وہیں شہر مکّۂ مکرمہ میں تدفین۔یہ تمام نسبتیں اور برکتیں بتاتی ہیں کہ وہ مقبول بارگاہ ہیں قسمت کے دھنی ہیں،صاحب شرف وامتیاز ہیں،پسندیدۂ احمد مختار ہیں،جنت الفردوس کے حقدار ہیں۔

خدائے عظیم بطفیل رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کی مغفرت فرما کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اوران کے پسماندگان وعقیدتمندان کوان کی روش اوران کی تعلیمات پر چلنے کی توفیق رفیق بخشے آمین یارب العالمین۔

آخر میں چند منقبتی اشعار پر اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔گرقبول افتدز ہے عزوشرف

عاشق غوث و رضا و مصطفیٰ جاتا رہا
ترجمانِ مسلک احمد رضا جاتا رہا
محفلیں سونی ہوئیں ہاں رونقیں جاتی رہیں
داعئ پیغامِ حق ، مرد خدا جاتا رہا
جس کے دم سے تھی منور انجمن احباب کی
وہ خلوص و لطف کاروشن دیا جاتا رہا
اسلئے چھائی ہوئی ہیں ہر طرف تاریکیاں
منظر اسلام کا روشن دِیا جاتا رہا
اپنے اہل خانہ واحباب کو اس دہر میں
چھوڑ کر روتا ہوا وہ دلربا جاتا رہا
چلتے پھرتے جس کے ہونٹوں پر تلاوت تھی سدا
ایسا حافظ ایسا قاری پر ضیا جاتا رہا
قول کا سچا عمل کا نیک ،عادت کا شریف
خوش ادا و خوش لقا وخوش نوا جاتا رہا
جس کا مقصود دلی تھا بس رضائے مصطفیٰ
وہ وفا دار حبیب کبریا جاتا رہا
ناظم خستہ جگر ،غمگین ہے سن کر خبر
مرضئ مولیٰ۔حنیف پارسا جاتا رہا

نعت پاک

از:-ڈاکٹر محمد عدنان علی'' کاشف بریلوی''

مرے حضور کی ہر ایک بات روشن ہے
ہر ایک پہلو سے ان کی حیات روشن ہے
جڑے جو اُن سے وہ روشن ضمیر ہو جائے
کچھ اس قدر میرے آقا کی ذات روشن ہے
کبھی تو آکے مرے دل کو کیجئے روشن
حضور آپ سے تو کائنات روشن ہے
وہ جس سے نعت تمہاری لکھی گئی آقا
مہکتا ہے وہ قلم اور دوات روشن ہے
تمہاری یاد ہے،خلوت ہے،رات ہے،ہم ہیں
لو آج پھر سے ہماری یہ رات روشن ہے
وہ جس کے لمس سے شاخِ شجر چمک اُٹھے
مرے حضور کا وہ پاک ہاتھ روشن ہے
جو ذات رشکِ کلیم و خلیل ہے کاشف
وہ ہے حضور کی پاکیزہ ذات ،روشن ہے

رمضان المبارک-معاشرتی واخلاقی ذمہ داریاں اور چند اصلاح طلب باتیں

از:-مولانا غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن مالیگاؤں

رمضان رب تعالیٰ کا انعام ہے۔ موسم بہار ہے۔ رحمتوں کی ساعت ہے۔ مانی ہوئی بات ہے کہ ایک لمحہ مقبولیت کا مل جانا خوش نصیبی ہے۔ رب کا کرم دیکھیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت ملاحظہ کیجیے، چند ساعتیں نہیں پورا مہینہ عطا کر دیا۔ فطرت کے تقاضوں کی تکمیل ہے ''ماہِ رمضان''۔ رحمتِ ایزدی چاہتی ہے کہ بندے پاکیزہ ہولیں، گناہوں سے تائب ہوں، ایسے ایسے مواقع دیے کہ عقل حیران ہے۔ ماہ رمضان کے انعام واکرام و برکات کا شمار کیا۔ ایسا رحمت بھرا مہینہ ہمیں عطا ہوا۔ اس کی قدر کریں۔ تکریم کریں۔ تعظیم کریں۔ ہر ہر لمحہ رب کا شکرادا کریں۔ شب بھی افضل، صبح بھی برتر، شام بھی بڑھ کر، سحر بھی احسن۔ نعمتیں حدِ شمار میں نہیں آسکتیں، اِس لیے ضروری ہے کہ ماہِ مبارک میں اِن امور کا خیال رکھا جائے۔

[۱] گناہوں سے توبہ ایسی کی جائے کہ آئندہ زندگی نیکیوں میں گزرے۔

[۲] ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھا جائے، کسی کا حق ذمہ میں باقی ہو تو رحمتوں سے واقعی حصہ پانے کے لیے ان کے حقوق پہلے ادا کردیں۔

[۳] روزے رب کی رضا، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش نودی کے لیے رکھے جاتے ہیں اس لیے صبر اختیار کر کے ریا و دکھاوے سے بچیں۔

[۴] نفس کی پاکیزگی و تقویٰ روزے کا اہم مقصد ہے، اس لیے تقویٰ کے منافی امور مثلاً حرام کام، غصہ کرنا، تصویر کھنچوانا، ویڈیو کو رواج دینا، فلمیں دیکھنا، نشہ کرنا جیسے امور سے بھی بچنے کا عہد کریں۔

[۵] اپنے مال کی زکوٰۃ اولین فرصت میں ادا کردیں، ٹال مٹول نقصان دہ ہے، پورا پورا حساب کریں۔ کہیں معمولی طمع ہمارے رزق کی برکت اٹھانے کا سبب نہ بن جائے!

[۶] زکوٰۃ کے حق داروں کو جھڑک کر زکوٰۃ نہ دیں، نرمی و محبت وشفقت کے ساتھ دیں، احسان نہ جتائیں بلکہ عزتِ نفس کا پورا پورا خیال رکھیں۔

[۷] مدارسِ دینیہ دین اور ہماری روحانی و تعلیمی وقومی بقا کے مراکز ہیں، علما وطلبہ کو حقیر ہرگز نہ جانیں، انھیں اگر زکوٰۃ دیتے ہیں تو پوری عزت کے ساتھ دیں، بےعزتی کے سلوک کے وہ ہرگز مستحق نہیں۔

[۸] رمضان میں برکت و رحمت کا خاص نزول ہوتا ہے، اللہ نے کشادگی دی ہے تو تشکر میں مفلسوں، تنگ دستوں، غریبوں کو بھی شریک کریں۔

[۹] ہم عمدہ کھانا بناتے ہیں، لذت کام و دہن میں مفلسوں، غریبوں، دبے کچلوں کو بھی شامل کریں۔

[۱۰] ہم چار اور پانچ بلکہ آٹھ دس ڈریس تک بنواتے ہیں، کیا کسی نئے کپڑے سے محروم کو ''نیا ڈریس'' عطا کر سکتے ہیں؟

[۱۱] اطراف کے غربا کا جائزہ لیں اور خاموشی سے ان کی ضرورت کی کفالت کردیں۔

[۱۲] ماہِ مبارک میں بیماریوں سے نبرد آزما افراد کی بھی مدد کردیں، مال نہ دے سکیں تو عیادت کر کے زندگی سے ٹوٹے افراد کے زخموں پر مرہم رکھ دیں۔

[۱۳] کوئی غربت زدہ ذہین بچہ معاشی تنگی کے باعث تعلیم سے محروم ہورہا ہو تو اس کی ضرورت کا تصفیہ بھی ماہِ رمضان کی خوشی دوبالا کرنے کا باعث ہے۔

[۱۴] تلاوتِ کلام اللہ کا معمول لائق قدر ہے؛ کبھی قرآن کریم ترجمے کے ساتھ بھی مکمل کرلیں، رمضان اس میں بڑا معاون ثابت ہوگا، اردو میں ترجمہ ''کنز الایمان'' از اعلیٰ حضرت بڑا آسان و منشاے قرآن سے قریب تر ترجمہ ہے، اس لیے اسے ضرور مطالعہ میں لائیں۔

[۱۵] مزدوروں سے ان کی ہمت کے مطابق کام لیں، ضعیف افراد پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں، محنت کم لیں اور معاوضہ عمدہ دیں۔

[۱۶] دینی کتابوں کا مطالعہ معمول بنائیں۔ ہم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں، ماہِ مبارک میں ''سیرتِ مصطفیٰ''، صلی اللہ علیہ وسلم [از مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی] کا مطالعہ بھی کرلیں۔

[۱۷] علم دین کا حاصل کرنا حدیث کی رُو سے فرضِ عین ہے اس لیے مسائلِ دینیہ سے واقفیت کے لیے ''قانونِ شریعت'' از مفتی شمس الدین جون پوری کا مطالعہ بھی کرلیں تا کہ ایمانی نسبت مضبوط ہو۔

[۱۸] اخلاقی خوبیاں پیدا کریں، روزہ اخلاق کو بھی نکھارتا ہے، کردار کو سنوارتا ہے، ضرورت فلسفۂ روزہ سمجھنے کی ہے۔

[۱۹] ۶/۱۰/اور تین دن تراویح پڑھ لینے سے بقیہ رمضان تراویح ہرگز معاف نہیں، روزانہ تراویح کا اہتمام کریں۔

[۲۰] ماہِ رمضان میں ''من'' کی دُنیا کی آرائش کے لیے ''سچ'' کا عہد کریں، جھوٹ سے تائب ہوں۔ ''تن'' کی دُنیا کی آرائش کے لیے انگریزی رہن سہن ''مغربی اسٹائل'' سے دوری کا عزم کریں۔

[۲۱] اپنی دُنیا اپنے دین کے تابع کردیں، یعنی نقطۂ نظر Point of view تبدیل کریں، دُنیوی نقطۂ نظر کی بجائے دینی سوچ وفکر سے آگے بڑھیں۔

[۲۲] روزے کے فوائدِ روحانی کا بھی خیال رکھیں، غیبت، چغلی، گالی گلوچ، دل آزاری، مکاری سے بالکل اجتناب برتیں۔

[۲۳] اسلاف کے اندازِ زندگی کو رہبر بنائیں تا کہ فرقہ پرستوں کی چالیں ناکام ہوں، اسلافِ کرام مثلاً امام اعظم، امام غزالی، غوث اعظم، غریب نواز، داتا گنج بخش، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی، مخدوم سمنانی، اعلیٰ حضرت جیسے راہ بروں کے نقوشِ قدم معیارِ زندگی بنائیں۔

[۲۴] بڑوں کی عزت، چھوٹوں پہ شفقت، والدین سے حسن سلوک، بوڑھوں کی قدر کریں۔

[۲۵] تمام عبادات، معمولاتِ رمضان دکھاوے کے بجائے خوش نودیِ رب کریم و رضائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لیے کریں۔

اس نوع کے اور بھی نکات ہیں جن کو اپنا کر ماہِ رمضان کے تربیتی لمحات سے گلستانِ حیات کو مہکایا جا سکتا ہے۔ قوم کی عملی تربیت کر کے صہیونی عزائم کو خاک میں ملایا جاسکتا ہے۔ ضرورت بیداری کی اور احساس کی ہے، ورنہ ؎

رزقِ خدا کھایا کیا، فرمانِ حق ٹالا کیا
شکرِ کرم ترسِ سزا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

☆

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے اور وضو کے سائنسی فوائد

از:-مولانا محمد برھان الحق جلالی

گو کہ سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے مگر سائنس جو کچھ آج بتلا رہی ہے اسلام نے آج سے ۱۴۰۰/ سال قبل ہی بتا دیا تھا۔آجکل سائنس کی طرف لوگوں کا بہت رجحان ہے۔سائنسی علوم حاصل کرنا بھی ضروری ہے مگر ایسے بھی افراد اس معاشرے میں پائے جاتے ہیں جو انگریز سائنسدانوں سے کافی مرعوب ہیں حالانکہ حقیقتاً دیکھا جائے تو جو ایجادات گوروں نے اپنے نام سے منسوب کی ہیں اکثر و بیشتر مسلمان سائنسدانوں کی ایجادات ہیں۔کسی چیز کو بنانے سے قبل بنیادی کام اس کا ڈھانچہ ہے۔اگر ڈھانچہ بنا ہو تو اگلے مراحل مشکل نہیں۔اکثر چیزوں کے ڈھانچہ مسلمان سائنسدانوں نے بنائے مگر ان کو انگریز سائنسدانوں نے اپنے نام سے منسوب کیا۔مسلمان سائنسدانوں کی کتب کو جلا دیا گیا۔مسلمان سائنسدانوں کا نام بھی نہیں۔بہر حال وہ افراد جو گوروں سے مرعوب ہیں انکی خدمت میں عرض ہے کہ مسلمان سائنسدانوں نے بھی سائنس میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ بہرحال ہمارے آقا کریم رؤوف الرحیم باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر سنت مبارکہ میں بہت سی خصوصیات ہیں۔آپ کا کوئی بھی فرمان حکمت سے خالی نہیں۔میں تو کہتا ہوں کہ اگر آدمی آقا کریم رووف الرحیم باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی ایک سنت پر ریسرچ کرے تو اتنی ریسرچ کرسکتا ہے کہ پی ایچ ڈی کی تھیسز تیار ہوسکتی ہے آقا کریم رؤوف الرحیم باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں میں سائنسی اور طبی خصوصیات پوشیدہ ہیں لہٰذا اب کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے اور وضو کے بارے میں سائنسی فوائد پر بالکل مختصر سی روشنی ڈالتے ہیں۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کے فوائد:

حکیم طارق محمود صاحب ماہنامہ رضائے مصطفیٰ شمارہ ربیع الاول بمطابق جولائی ۱۹۹۸ کے صفحہ نمبر ۸ پر رقم طراز ہیں کہ ’’اگر کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹیں گے تو پیچوٹری گلینڈ کے تابع بعض ایسے انزائم جو رطوبت کی شکل میں انگلیوں سے نکل کر کھانے میں شامل ہوتے رہتے ہیں اور جوں جوں کھانے میں مزہ زیادہ آتا ہے یہ ہاضم رطوبت انگلیوں کو کیونکہ لگی ہوتی ہے اس لیے اس کا چاٹنا کھانے کے ہضم ہونے میں مدد دیتا ہے نیز یہ دماغی تقویت اور نگاہ کی کمزوری کا اکسیری علاج ہے۔

حضرات گرامی! حکیم صاحب کی باتوں سے معلوم ہوا کہ اس سنت پر عمل کرنے سے دنیاوی فوائد کافی حاصل ہوتے ہیں ۔لیکن ساتھ ساتھ اخروی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں ۔سنت پر عمل کرنے کا بے حد ثواب ملتا ہے۔معلوم ہوا کہ سنت پر عمل کرنے سے دنیاوی فوائد بھی ملتے ہیں اور اخروی بھی۔

آیئے! اب وضو کے چند طبی اور سائنسی فوائد جانتے ہیں۔

دنیا اسوقت آلودگی جیسے مسائل میں گرفتار ہے اور اربوں روپے اس پر قابو پانے کے لئے خرچ کیے جا رہے ہیں پھر بھی آلودگی ختم نہیں ہونے پاتی اور اس کے مضر اثرات سے بچنے میں وضو بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ہاتھ دھونا:۔ وضو میں سب سے قبل ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اس لئے کہ جب کلی کرنے لگیں تو ہاتھوں پر لگے جراثیم منہ کے اندر نہ چلے جائیں بقول سائنسدانوں کے جب ہم ہاتھ دھوتے ہیں تو انگلیوں کے پوروں سے شعاعیں نکل کر ایسا حلقہ بناتی ہیں کہ جس سے ہمارا اندرونی برقی نظام متحرک ہو جاتا ہے اور ایک حد تک برقی رو ہمارے ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے اس سے ہمارے ہاتھوں میں حسن آجاتا ہے۔

کُلّی کرنا:۔ اس کے بعد کلی کی جاتی ہے جس سے منہ کے اندر، دانتوں کے اندر کھانے کے اٹکے ذرّات نکل جاتے ہیں۔ مغربی جرمنی میں ڈپریشن کا مرض ہوتا جا رہا ہے اور جب انہوں نے مسلمانوں پر تحقیق کی تو انہوں نے کہا کہ یہ دن میں ۵/ بار ہاتھ منہ دھوتے ہیں یعنی وضو کرتے ہیں اسی وجہ سے ان میں ڈپریشن کی بیماری بہت کم پائی جاتی ہے۔

کلی کرنے سے ھاتھ دھونے سے انسان متعدد بیماریوں سے بچ جاتا ہے غذا کے ذرات اور ہوا کے ذریعے متعدد مہلک جرثیم ہمارے منہ اور دانتوں میں لعاب کے ساتھ چپک جاتے ہیں چنانچہ وضو میں مسواک اور کلیوں کے ذریعہ منہ کی بہترین صفائی ہو جاتی ہے۔ پابندی کے ساتھ غرارے کرنیوالا گلٹی (Tonsil) بڑھنے اور گلے کے بہت سے امراض حتیٰ کہ گلے کے کینسر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ وضو حفظان صحت کے زرّیں اصولوں میں سے ہے۔ یہ روزمرہ کے جراثیم کے خلاف بہت بڑی ڈھال ہے وضو کے ذریعے جراثیم سے نجات ملتی ہے۔ بہت سی بیماریاں صرف جراثیموں کی وجہ سے پھیلتی ہے۔ یہ جراثیم ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہم ہاتھوں کو دھوکر ہاتھوں کے اوپر لگے جراثیم سے نجات پاتے ہیں اور کُلّی کر کے ہم مختلف بیماریوں سے تحفظ حاصل کرتے ہیں۔

ناک میں پانی ڈالنا:۔ کُلّی کے بعد ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے۔ انسان سانس لیتا ہے اور سانس کیلئے پھیپھڑوں کو ایسی ہوا درکار ہوتی ہے جو جراثیم اور گردوغبار سے پاک ہو۔ اس میں اسی فیصد رطوبت ہو ایسی ہوا فراہم کرنے کے لئے ہمیں مالک ارض وسمانے ہمیں ناک کی نعمت عطا کی ہے۔ ناک میں صفائی او دیگر سخت کام نتھنوں کے بال سرانجام دیتے ہیں۔ ناک کے اندر دفاعی نظام (Yesozium) موجود ہوتا ہے۔ ناک اسکے ذریعے آنکھوں کو (Infection) سے محفوظ رکھتا ہے۔ ناک میں پانی ڈالنے سے انسان ناک کی کئی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ دائمی نزلے اور ناک کے زخم کے مریضوں کیلئے ناک کا غسل بے حد مفید ہے۔

ہم وضو میں کم از کم دن میں ۵/ بار ناک صاف کرتے ہیں اس لئے کسی قسم کے جراثیم ناک میں پرورش نہیں پاتے اور مسلمان وضو کی برکت سے ناک کے بے حد پیچیدہ امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

چہرہ دھونا:۔ اس کے بعد چہرہ دھویا جاتا ہے آجکل آلودگی کا مسئلہ بہت عام ہے فضاء میں کارخانوں کے دھوئیں، گاڑیوں کے دھوئیں کے بہت سے اثرات پائے جاتے ہیں مختلف کیمیاوی مادّے سیسہ وغیرہ میل کچیل کی صورت میں آنکھوں اور چہرے پر جمتا ہے اگر چہرہ

نہ دھویا جائے تو چہرہ اور آنکھیں مختلف امراض کا شکار ہوسکتی ہیں۔ ایک یورپین ڈاکٹر نے ایک مقالہ لکھا جس کا نام Eye,Water,Health تھا اس میں اس نے لکھا کہ دن میں آنکھوں کو کئی مرتبہ دھویا جائے ورنہ خطرناک بیماریاں لاحق ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح امریکن کونسل فار بیوٹی (American Council for Beauty) کی ایک سرکردہ ممبر بیچر (Bechar) کہتی ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کے کیمیاوی لوشن کی حاجت نہیں وضو سے ان کا چہرہ دھل کر کئی بیماریوں سے محفوظ ہوجاتا ہے.

وضو میں چہرہ دھونے سے انسانی چہرہ سے میل کچیل اتر جاتا ہے اور چہرہ دھونے کے دوران انسان کی آنکھوں کی بھنویں بھی اتر جاتی ہیں جس کی وجہ سے انسان کافی حد تک اندھے پن سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ داڑھی میں تری کی وجہ سے انسان گردن کے پٹھوں، تھائی گلیڈز اور گلے کے امراض کی حفاظت ہوتی ہے۔

داڑھی کا خلال کرنا:- چونکہ داڑھی گھنی اور گنجان ہوتی ہے اس لئے اسکی جڑوں تک پانی پہنچانے کا حکم دیا گیا۔اس سے بالوں کی جڑیں مضبوط ہوجاتی ہیں اور وہ افراد جو سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چہروں پر سجاتے ہیں وہ خوش نصیب ہیں کہ ڈاکٹر پروفیسر جارج اپل کہتا ہے کہ منہ دھونے سے داڑھی کے بالوں کی جڑیں مضبوط ہوتیں ہیں۔خلال کرنے سے جوؤں کا خطرہ ختم ہوجاتا ہے۔ نیز داڑھی میں پانی کے ٹھہراؤ سے گردن کے پٹھوں، تھائی وائیڈ گلینڈ اور گلے کے امراض سے حفاظت ہوتی ہے۔

کہنیوں تک بازو دھونا:- پھر کہنیوں تک بازو دھوئے جاتے ہیں یہ وہ حصہ ہے جو عموماً ڈھکا ہوتا ہے اور اس تک پانی نہ پہنچایا جائے تو امراض پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے اور مسلمان وضو کرتے وقت کہنیوں کو دھوتے ہیں تو اس طرح وہ اس خطرہ سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ وضو میں کہنیاں دھونے سے دل، جگر اور دماغ کو تقویت ملتی ہے۔ کہنیوں کو دھونے سی سینے کے اندر ذخیرہ شدہ روشنیوں سے براہ راست انسان کا تعلق ہوتا ہے اور روشنیوں کا ہجوم ایک بہاؤ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس عمل سے ہاتھوں کے عضلات یعنی کل پرزے مزید طاقتور ہوجاتے ہیں۔

سبحان اللہ! وضو سے دنیاوی فائدہ بھی ہے اور اخروی فائدہ بھی۔اس سے نہ صرف جسمانی بیماریوں کو ختم کرنے کا فائدہ پہنچتا ہے بلکہ ذہن کے ناپاک خیالات کا اجتماع، ناامیدی، ذہنی کمزوری، بے جا خوف جو ہر وقت پریشان کئے رکھتا ہے یا ایسا خوف جسکی حقیقت ہی نہ ہو ان تمام چیزوں سے آرام مل جاتا ہے۔

بقول حکیم قدرت اللہ حسامی کے دونوں ہاتھ کہنیوں تک رگڑ کو دھونے سے بڑی آنت، دل، چھوٹی آنت اور دوران خون پر اثر پڑتا ہے جس سے بے شمار بیماریوں سے نجات ملتی ہے مثلاً کھانسی، دم پھولنا، بخار، پھوڑے پھنسیاں، عام کمزوری، قبض، پیشاب کی زیادتی، بواسیر، چکر بلڈ پریشر وغیرہ۔

مسح کرنا:- سر انسان کے تمام اعضاء سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ تمام اعضاء کے افعال کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔ وضو سے دماغی ارتعاشات (تحریکات) Vibrations سب سے زیادہ طاقتور ہونے لگتے ہیں بقول حکماء کے سر کے مسح سے گنٹھیا، چکر، زکام، نیند

کی کمی وغیرہ کی تکالیف میں کمی آتی ہے اور بینائی تیز ہو جاتی ہے۔ دماغی ٹھنڈک سے سکون محسوس ہوتا ہے۔

ضمناً واقعہ:- مسح کے بارے میں سائنسی تجربات کے سلسلے میں ایک واقعہ رقم ہے کہ ایک صاحب فرانس گئے وہ کہتے ہیں کہ میں وضو کر رہا تھا اور ایک آدمی مجھے گھور کر دیکھ رہا تھا جب میں وضو سے فارغ ہوا تو اس نے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں تو ان صاحب نے کہا کہ پاکستان۔ تو اس نے پوچھا کہ وہاں کتنے پاگل خانے ہیں؟ کہنے لگے کہ دو چار ہونگے۔ وہ بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا کہ دماغ سے باریک رگیں موصل بن کر ہماری گردن کی پشت سے سارے جسم کو جاتی ہیں اور اگر بال بہت بڑھادئے جائیں یا گردن کی پشت خشک رہ جائے تو خشکی پیدا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ انسان پاگل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ گردن کو دن میں چار بار دھویا جائے۔ ابھی میں نے دیکھا کہ آپ نے گردن پر کچھ کیا۔ واقعی آپ لوگ پاگل نہیں ہو سکتے۔

روزانہ گردن کا مسح کرنے سے ریڑھ کی ہڈی اور حرام مغز کی خرابی سے پیدا ہونے والے امراض سے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

پاؤں دھونا:- پاؤں زیادہ دھول آلودہ ہوتے ہیں پہلے پہل Infection پاؤں کی انگلیوں سے شروع ہوتا ہے۔ وضو میں گرد و غبار اور بچے کھچے جراثیم پاؤں کی انگلیوں کے خلال سے نکل جاتے ہیں۔ پاؤں سنت کے مطابق دھونے سے ڈپریشن، بے چینی، بے سکونی، دماغی خشکی اور نیند کی کمی جیسے مہلک امراض ختم ہو جاتے ہیں۔ پیروں سے پیٹ، مثانہ، گردے، تلی، پتے، جگر کا تعلق ہوتا ہے۔ پیر کے تلوؤں کا ہتھیلیوں کی طرح تمام اعصاب خاص طور پر تمام غدود سے تعلق رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے بھوک کی کمی، تیز بخار، عرق النساء، اسہال، نکسیر، یرقان، گنٹھیا، بواسیر، چکر، جنسی کمزوری، قبض، دم پھولنے سے آرام رہتا ہے۔ اس کے علاوہ گھبراہٹ، پریشانی، ایسا خیال کہ خوفناک کام کرونگا (پاگل پن) وغیرہ ان تکالیف سے نجات مل جاتی ہے۔

یورپ امریکہ کے (Physiotherapist) وہاں پر مالش (Physiotherophy) کے ذریعہ علاج کرتے ہیں اور اس سے فالج، لقوہ، دمہ، بواسیر، خون کی کمی، وغیرہ کی بیماریاں یا تو ختم ہو جاتی ہیں یا ان کی شدت میں کمی آجاتی ہے۔

وضو کی ترتیب:- وضو کی ترتیب یہ ایک ایسا امتزاج ہے کہ اس کے ذریعے فالج لقوہ وغیرہ سے بچا جا سکتا ہے۔

سبحان اللہ! ایک چھوٹا سا عمل جس کے دنیاوی فوائد بے شمار اور اخروی فوائد بھی بے شمار ہیں اسلام میں مسلمان کے ہر عمل میں کوئی نہ کوئی بہتری پوشیدہ ہوتی ہے جیسا کہ اس قول سے اندازہ لگالیں کہ غرض اسلام کی ہر ہدایت میں انسانی بہتری پوشیدہ ہے جس سے ہماری روحانی زندگی کے علاوہ ماڈی زندگی بھی منور ہو سکتی ہے اور ہم اپنی تمام برادری اور پوری انسانیت کے لئے بھی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

مآخذ و مراجع:- اسلام اور میڈیکل سائنس، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، ماہنامہ سوز و گداز، وضو اور سائنس، اسلام کے معاشرتی زندگی پر اثرات، زہدی ڈائجسٹ، طب اور اسلام، آداب صحت اور پاکیزگی وغیرہ۔

اکابر کی خدمات اور ہماری ذمہ داریاں

از:-مولانا علی حسن قادری اشفاقی، مدرس دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور (راجستھان)

اس دورِ پُرفتن والحاد میں نئی نسل اور نوجوان طبقہ اغیار کی صحبت اور اہل کفر میں سے متعصبین کی ہمہ وقت اسلام اور بانی اسلام و تعلیماتِ اسلام پر یلغار سے متأثر ہوکر نیز جدید زہر آلود لٹریچر وکُتب سے بہک کر اسلام کی حکمتوں اور برکتوں سے معمور تعلیم واحکام پر تنقید کرتے ہوئے کبھی کبھی معاذ اللہ ایسے ایسے اعتراضات کر بیٹھتا ہے، جن سے روحِ ایمان نکل جاتی ہے یا نکل جانے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے، مگر ان جدت پسندوں کو اسکا احساس تک نہیں ہوتا، کبھی تو معاذ اللہ! قربانی پر اعتراض کرتے ہیں تو کبھی لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے پر غوغا، کبھی تعدُدِ نکاح پر، تو کبھی طلاق وتفریق پر، یہ بے ہودہ اعتراضات حزب مخالف کے متعصب وتنگ نظر افراد تو کم کرتے ہیں، ہمارے بھائی موڈرن فکر کے حامل زیادہ کرتے ہیں، جو بزعمِ خویش اپنے آپکو دانشور طبقہ میں شمار کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

اسی دانشوری کا المیہ ایک یہ ہے کہ اسلامی تہذیب و شرافت سے کوسوں دور ہوکر گھر میں جوان بچیوں اور بہنوں کے سامنے ناقص ونیم عریاں لباس زیب تن کرنے پر نازاں رہتے ہیں، اسلامی شرافتی انداز میں پیشاب کرنے کو بھی معیوب تصور کرتے ہیں بلکہ جانوروں کی طرح ایستادہ ایستادہ ہی پیشاب کرتے ہیں، یہ سب کچھ تکلیف دہ احوال وافکار اسلئے وجود میں آئے ہیں کہ ہماری نسل کا بہت بڑا طبقہ اسلامی تعلیمات سے ناآشنا ہے، اسی ناآشنائی کے سبب ہی یہ جدت پسند طبقہ نہ تو نمازوں کی اہمیت وفرضیت کو صحیح معنوں میں سمجھ پاتا ہے اور نہ ہی اسلام کی حقیقی روح کا ادراک کر پاتا ہے۔ غیر مسلمانوں کا قرب اور اسلامی تعلیم وتربیت سے بیگانگی نے اس گروہ کو ضلالت کی دہلیز پر لاکر کھڑا کر دیا ہے نیز اغیار کی منصوبہ بند یلغار کے ساتھ ساتھ بعض نادان اپنوں کے لایعنی اعتراضات نے بھی اسلام کا تابندہ چہرہ داغدار کیا ہے۔

مزید طُرّہ یہ ہے کہ پچھلے ۲۰۔ ۲۵ سالوں سے دہشت گردی میں مبتلا باغیان رسول کی شعلہ باری نے تو پوری دنیا میں اسلامی پاکیزہ روح کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے، ان کی حماقتوں نے عالم انسانیت میں مسلمانوں کو منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا، جبکہ اسلام انسانیت وشرافت، میل ومحبت، ہمدردی ورأفت کا علم بردار مذہب ہے، نہ کہ ظلم وجبر کا۔ دہشت گردی سے تو اسلام کا دور دور کا بھی واسطہ نہیں، فرمانِ نبوی ہے''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ الخ (بخاری شریف) سچا مسلمان وہ ہے جو کسی کو بھی اپنی زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے۔

ان ناگفتہ بہ حالات میں ملت کے دردمند اور باشعور حضرات بالخصوص صاحب فکر علمائے کرام کا منصبی فریضہ بنتا ہے کہ ایک طرف ان گم گشتہ راہ بھائیوں کو تعلیم وتربیت کی راہ پر لاکر اسلامی فکر وشعور کا حامل بنائیں اور دوسری طرف اُدع الیٰ سبیل ربّك بالحكمة و الموعظة الحسنة کے پاکیزہ ارشاد کی روشنی میں وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ آسان زبان و بیان میں اسلامی اور سیرت

پاک کی کُتب چھاپ چھاپ کر ان تک پہونچائیں، تا کہ یہ جدت کے متوالے افراد بفضل ربّانی علمائے کرام کی آسان زبان میں لکھی ہوئی باریکیوں سے لبریز کُتب دینیہ وسیرت نبویہ کو پڑھ کر اسلام کی حقیقی چاشنی اور روحِ اسلام کو سمجھ سکیں اور کج راہی سے بچ کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں، علمائے کرام کی بالغ نظری اور خدمات دینیہ کا اعتراف تو اپنے اور بیگانے ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور کیا ہے، سیدنا اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ اور آپکے پروردہ علماء وفضلاء نے ماضی میں ایمان وعقیدہ کے تحفظ کے تعلق سے جو فقید المثال خدمات انجام دی ہیں وہ تا قیامت یادرکھی جائینگی۔

ماضی میں جب جب نازک موڑ آیا، تو ملت کی ڈوبتی اور ہچکو لے کھاتی ہوئی کشتی کو علمائے کرام کی پُر خلوص مساعی جلیلہ نے ہی ساحل مراد تک پہونچانے کا کارنامہ انجام دیا ہے، ماضی میں افرنجیوں کا طوفان بداماں دور آیا تو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اور حکمت سے لبریز احکامات الٰہیہ پر یلغار ہوئی اور اسلامی علوم اور فنون، تہذیب وتمدّن پر شبخون مارا جانے لگا۔ بیگانوں کے ساتھ ساتھ اپنے بھی جدّت کے نشہ میں مخمور ہو کر اُن کے ہم نوا بن بیٹھے، اور اسلامی شعائر پروہ، وہ اعتراضات کئے کہ الامان والحفیظ! ان تکلیف دہ حالات میں صدہا کفن بردوش علمائے کرام نے اپنا منصبی فریضہ نبھاتے ہوئے مخالفین کے ہر ہر اعتراض کا مُبر ہن جواب دیکر اسلامی تہذیب وتمدّن اور قانون ربّانی کے تحفظ کا ہر ممکن سامان بہم پہونچایا۔ ان کفن بردوش علمائے کرام کے اوّلین میر کارواں علامہ الشاہ محدث عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ اوران کے نامور شاگرد علامہ فضل حق خیرآبادی اوران کے ہم عصر وہم نوا علمائے کرام کا گروہ تھا، ان حضرات کی کُتب دینیہ اور فتاویٰ نے ملت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو طوفان کی زد سے بحکمت کاملہ نکال کر ساحل مراد تک پہونچادیا۔ فلہٗ الشکر۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را''

اس گروہ مجاہدین کے بعد ایک ایسی عبقری شخصیت منصۂ شہود پر جلوہ بار ہوئی جنکی فکر وشعور، علم وآگاہی سے لبریز کُتب وفتاویٰ نے نہ فقط ہندوستانی مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ کیا بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی کشتی کو طوفان بداماں بھنور سے نکال کر ساحل مراد تک پہونچادیا۔ یہ نادرِ روزگار شخصیت علم ومعرفت کے کوہِ گراں سیدنا اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کی تھی جنکی فکر رسا اور قلمِ گوہر بار نے ملت کی ایسی پاسبانی کی کہ جسکی نظیر دور دور تک نظر نہیں آتی، شیطان صفت افرنجیوں کی تباہ کن سازشوں اور گستاخانِ رسول کی تہلکہ خیز وایمان سوز گُستاخیوں کا ۵۰؍سال تک ایسا دفاع کیا، اور ایسا مدلّل اور مُبرہن جواب دیا کہ ملت مرحومہ آپکی علمی خدمات اور قربانیوں کو تا زیست یادر کھے گی۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا زبزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

آپ کے بعد آپکے خُلفاء اور تلامذہ نے بھی اسی روش کو برقرار رکھا صدہا کُتب دینیہ اور اصلاحیہ ترتیب دیکر اہل سنّت وجماعت کے ایمان وعقیدہ کی پاسبانی کرتے رہے، اِن نفوس قدسیہ کے دور میں بھی کئی ایک جدید مسائل معرضِ وجود میں آئے مگر خوش فکر، بالغ نظر اور وسیع الظرف، نائبین رسول نے کسی بھی موڑ پر انتشار وافتراق بین المسلمین کو قطعی گوارہ نہیں کیا، مسئلہ تصویر، لاؤڈ اسپیکر پر نماز اور ٹرین میں نماز وغیرہ کے سبھی مسائل آپکے تلامذہ وخلفاء کے دور میں بھی برابر موضوع بحث رہے، مگر کسی بھی عالم نے باہمی اختلاف کی شکل رونما نہیں ہونے دی بلکہ ہمیشہ آپسی اتفاق واحترام

اور فرق مراتب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مسائل کا حل نکالا۔
یہ گروہ مقتدی فکر وشعور سے لبریز کُتب اور مضامین سے ملت کی نوجوان نسل کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے، ان نفوس قدسیہ کے بعد علامہ نظامی علیہ الرحمہ اور علامہ ارشد القادری اور ان کے معاصرین دیگر اکابر و اصاغر کے مشک بار قلم نے بھی کئی ایک بہت ہی مفید اور مبنی بر حقائق کتب تحریر کیں جو لائق صد تبریک وافتخار ہیں، اور ملت کے نوجوان طبقہ کو ان کی کُتب سے فکر وعقیدہ میں پختگی کی راہ ملی۔ اب اس دور نازک میں جبکہ ہر سو اسلام اور اہل اسلام پر بڑی پلاننگ کے ساتھ یلغار کی جارہی ہے، ہر روز نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، پیغمبر اسلام کی ذات ستودہ صفات کو بھی تنگ نظر خُبثاء نشانہ بنانے پر تُلے ہوئے ہیں، ان حالات میں ہمارے ذی علم علماء وفُضلاء کا منصبی فریضہ بنتا ہے، کہ وہ سبق آموز مضامین واصلاحی کُتب سہل وشیریں زبان میں مُرتّب کر کے قوم کو دیں تا کہ نوجوان نسل بھٹکنے کے بجائے راہِ مستقیم پر گامزن ہو سکے، اور انتشار وافتراق کے بجائے اتفاق واتحاد کی راہ پر چلے، فقہی تحقیق ہو تو بھی ایسے نادر الوجود مسائل پر ہی ہو جن سے نوجوان نسل اور اغیار متأثر و مستفیض ہو سکیں، اور بے گانے بھی اسلام کی پاکیزہ اور محبت سے معمور تعلیمات سے متأثر ہو کر مذہبِ مہذّب کے دامن سے وابستہ ہوں، پیغمبرِ رحمت کی اخلاق و کردار سے بھرپور تعلیمات کو ایسے شیریں اسلوب میں پیش کریں کہ فرقہ ضالّہ دہشت گردی کے مرض سے کنارہ کش ہو کر خُلقِ محمدی کے چشمۂ حیات سے سیراب ہو نیز تنگ نظری، عناد واختلاف اور رعونت و کبر کی بیماریوں سے رب العزّت سب کو محفوظ فرما کر اخلاق و کردار، شرافت ونجابت، تواضع وانکساری کا پیکرِ مجسم بنا کر اسوۂ حُسنہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

مولانا فرخند علی صاحب کے لیے دعائے صحت

مبلغ مسلک اعلیٰ حضرت، مرید سرکار مفتی اعظم ہند حضرت مولانا فرخند علی صاحب رضوی نے اپنی تمام زندگی مسلک حق مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت میں صرف کی۔ آپ حضرت ریحان ملت اور اُن کے وصال کے بعد حضور صاحب سجادہ حضرت سبحانی میاں صاحب کے خاص عقیدتمندوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ سہسوان بدایوں سے متصل ندائل نامی بستی کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فروغ مسلک اعلیٰ حضرت اور تردید وہابیہ کے لیے کئی مستند کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے کئی ادارے بھی قائم فرمائے۔ شہید نگر دہلی میں واقع مدرسہ رضائے مصطفیٰ کے آپ بانی و ناظم بھی ہیں اور اس وقت وہیں قیام پذیر ہیں۔ آپ مخلص علماء کی جماعت میں اُن مخصوص حضرات میں شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے دنیوی مفاد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اور صرف دین و مسلک کے لیے وفادارانہ کام کیا۔ آپ کی حیات پاک تبلیغ دین، تدریسی خدمات، تصنیفی کارگزاریوں اور مدارس کی تعمیری سرگرمیوں سے عبارت ہے۔ آپ ہر سال مؤرخہ ۱۴ر جون کو اپنی بستی ندائل میں اعلیٰ حضرت کا یوم پیدائش بنام یوم رضا مناتے ہیں۔
آج کل کافی علیل ہیں۔ خدائے پاک آسانی اور شفا عطا فرمائے۔ آپ نے اپنی ذاتی لائبریری کی تمام کتابیں مدرسہ رضویہ برکات العلوم سہسوان بدایوں کو وقف کرنے کا اعلان کیا ہے۔ رب قدیر اُن کی خدمات کا سلسلہ دراز سے دراز تر فرمائے۔ نیز اُن کی تصنیفات اور ذاتی لائبریری کے ذریعہ مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے دروازے کشادہ فرمائے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ موصوف کے لیے دعائے صحت وسلامتی فرمائیں۔
(عبدالرحمٰن خان قادری)

دوقومی نظریہ کا آغاز وفروغ

از:-مولانا طارق انور رضوی (کیرلا)

ملک ہند کے حالات کے پیش نظر سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) بانی مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) نے اردو، ہندی مباحثہ {Urdu-Hindi Controversy} کے بعد انیسویں صدی کے اخیر میں دوقومی نظریہ پیش کیا۔ پھر امام احمد رضا قادری (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) نے سال ۱۸۹۷ء میں اسی نظریہ کو دہرایا۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی نے لکھا۔ ''تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے سب سے پہلے ۱۸۹۷ء میں پٹنہ کے ایک اجلاس میں اس دوقومی نظریہ کی داغ بیل ڈالی، اور ۱۹۲۰ء میں باقاعدہ اس کے متعلق دستاویزات پیش کیں''۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۵-ص۲۲)

انجام کار حالات کو دیکھتے ہوئے الہ آباد میں 29/دسمبر ۱۹۳۰ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسلم لیگ کے صدر ڈاکٹر اقبال (۱۸۷۶ء- ۱۹۳۸ء) نے اپنے یادگار صدارتی خطاب {Monumental Presidential Addrees} میں دوقومی نظریہ {Two-nation Theory} پیش کیا۔ مسلم لیگ نے اس نظریہ کو اختیار کر کے عملی تحریک شروع کی اور پاکستان کا وجود ہوا۔

اردو زبان کا آغاز وعروج

ملک ہند عہد قدیم سے مختلف زبانوں، متعدد مذاہب اور نوع بہ نوع تہذیب وثقافت کا گہوارہ رہا ہے۔ اردو کا ابتدائی آغاز اسی وقت سے شروع ہوگیا، جب فاتح سندھ محمد بن قاسم (۶۲ھ-۹۸ھ-۶۸۱ء-۷۱۷ء) کے زیر قیادت سال ۹۳ھ-۷۱۲ء ہندوستان میں اسلامی مملکت کا وجود ہوا۔ یہاں کی مقامی زبانوں میں عربی کے الفاظ داخل ہونے لگے، پھر سلطان محمود غزنوی (۳۶۱ھ-۴۲۱ھ-۹۷۱ء-۱۰۳۰ء) ودیگر افغانی سلاطین کے عہد میں فارسی وافغانی زبانوں کے الفاظ نے بھی اس زبان میں شمولیت اختیار کی۔ اس طرح سنسکرت، عربی وفارسی ودیگر افغانی زبانوں کی آمیزش سے رفتہ رفتہ ایک نئی زبان کا ارتقا ہوتا رہا۔ محمود غزنوی سے سلطنت مغلیہ کے عہد اخیر سال ۱۸۳۷ء تک فارسی زبان ملک ہند کی سرکاری زبان رہی۔ سال ۱۸۳۷ء میں برطانوی حکومت {British Government} نے فارسی کی جگہ ''اردو'' کو سرکاری زبان قرار دیا۔ اب انگلش اور اردو یہ دو زبانیں فروغ پانے لگیں۔

سال ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوتے ہی قوم ہنود نے ملک کو ہندوراشٹر بنانے کا خواب دیکھنا شروع کیا۔ اردو زبان کو ہندوؤں نے مسلم سلاطین کی زبان قرار دیا اور اس سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنے لگے۔ اسی زبان کو اگر کوئی ہندو بولتا تو وہ ''ہندی'' کہلاتی، اور اگر کوئی مسلمان بولتا تو اسے ''اردو'' کا نام دیا جاتا۔ رفتہ رفتہ ہندوؤں نے اسی زبان میں سنسکرت کے الفاظ کی کثرت لاکر ایک نئی زبان کی تشکیل کا ارادہ کیا۔ اردو زبان جو فارسی رسم الخط (Persian Script) میں لکھی جاتی تھی، اب اسی زبان

کو دیوناگری رسم الخط (Devanagri Script) میں لکھنے کا مطالبہ ہونے لگا۔اردو ، ہندی مباحثہ (Urdu-Hindi Controversy) سے یہ راز سربستہ کھل کر سامنے آ گیا اور یہی دوقومی نظریہ کا سبب بنا۔سال ۱۸۶۷ء سے موجودہ اتر پردیش کے علاقہ میں قوم ہنود نے ''اردو'' کی جگہ ''ہندی'' کو دفتری زبان {Offcial Language} قرار دینے کا مطالبہ شروع کردیا۔

اردو، ہندی مباحثہ اور دوقومی نظریہ کا آغاز

ایک طویل مدت تک سرسید احمد خاں کا شمار ہندو، مسلم اتحاد کے علمبرداروں میں ہوتا تھا۔ ہندوستان میں دوقومی نظریہ کے بانی سرسید نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں ہندو اور مسلمان دونوں کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتا ہوں اور ان دونوں کو ایک دلہن کی دو آنکھیں سمجھتا ہوں۔لفظ قوم سے میں صرف ہندو اور مسلم مراد لیتا ہوں۔ہم ہندو اور مسلمان ایک ہی سرزمین پر ایک ہی سرزمین پر ساتھ ساتھ ایک ہی حکومت کے ماتحت رہتے ہیں۔ہمارے مفادات ومشکلات مشترک ہیں،اس لیے میں ہندو اور مسلم کو ایک قوم کا دوحصہ تسلیم کرتا ہوں۔سرسید کے الفاظ یہ ہیں۔

I look to both Hindus and Muslims with the same eyes & consider them as two eyes of a bride. By the word nation I only mean Hindus and Muslims and nothing else. We Hindus and Muslims live together under the same soil under the same government. Our interest and problems are common and therefore I consider the two factions as one nation.

(Urdu-Hindi Controversy wikipedia)

ترجمہ: میں ہندو مسلم،دونوں کو ایک سی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور انہیں ایک دلہن کی دو آنکھیں سمجھتا ہوں۔لفظ ''قوم'' سے میں صرف ہندو اور مسلم مراد لیتا ہوں،اور ان کے علاوہ کچھ نہیں۔ہم ہندو اور مسلم ایک سرزمین پر،ایک حکومت کے ماتحت ساتھ ساتھ زندگی گذارتے ہیں۔ہمارے فوائد ومشکلات مشترک ہیں،اس لیے میں (مسلم و ہندو کو) ایک قوم کا دوطبقہ تصور کرتا ہوں۔

جب سال ۱۹۶۷ء میں اردو، ہندی مباحثہ گرم ہوا،قوم ہنود نے اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دیتے ہوئے اس کی قبولیت سے انکار کردیا تو سرسید کے خیالات بدل گئے ۔ سرسید نے بنارس کے انگریزی گورنر شیکسپیئر(Shakespeare) سے کہا تھا کہ اب میں سمجھتا ہوں کہ ہندو اور مسلم کبھی بھی ایک قوم نہیں ہوسکتے، کیونکہ ان دونوں کا مذہب اور طرز زندگی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔سرسید نے کہا تھا۔

I am now convinced that the Hindus and Muslims could never become one nation as their religion and way of life was quite distinct from one and other.(Urdu-Hindi Controversy wikipedia)

ترجمہ: اب میں یقین کر چکا ہوں کہ ہندو اور مسلم کبھی بھی ایک قوم نہیں ہو سکتے ، اپنے مذاہب کے سبب اور طرز زندگی کے سبب کہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

سرسید کے سیرت نگار، الطاف حسین حالی نے لکھا۔ ایک دن بنارس کے انگریزی کمشنر شیکسپیئر کے ساتھ مسلمانوں کے تعلیمی امور پر سرسید احمد خاں کی گفتگو ہو رہی تھی۔ سرسید احمد خاں کی باتوں کو سن کر شیکسپیئر نے تعجب کے ساتھ دیکھتے ہوئے اسے کہا کہ میں پہلی بار آپ کو خاص کر مسلمانوں سے متعلق بات کرتے ہوئے سن رہا ہوں ، ورنہ پہلے تو آپ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کی بات کیا کرتے تھے، تب سرسید نے اس سے کہا کہ اب میں یہ یقین کر چکا ہوں کہ دو قوم کے دل ایک برتن میں نہیں رکھے جا سکتے۔

One day as Sir Syed was discussing educational affairs of Muslims with Mr. Shakespeare-the then Commissioner of Banaras- Mr. Shakespeare looked surprised and asked him, "This is the first time when I have heard you talking specifically about Muslims. Before this you used to talk about the welfare of the common Indians.'' Sir Syed then told him, "Now I am convinced that the two cummunities Muslims and Hindus will not put their hearts in any venture together."(Syed Ahmad Khan wikipedia)

ترجمہ: ایک دن سرسید جبکہ سرسید کی گفتگو مسلمانوں کے تعلیمی امور سے متعلق مسٹر شیکسپیئر سے ہو رہی تھی ،تب بنارس کے کمشنر شیکسپیئر نے تعجب سے دیکھا اور سرسید کو کہا۔ ''یہ پہلا موقع ہے کہ جب میں آپ کو خاص کر مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کرتے سن رہا ہوں، اس سے پہلے آپ تمام ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے گفتگو کرتے تھے۔ تب سرسید نے اس سے کہا۔ اب میں یقین کر چکا ہوں کہ دونوں قومیں ہندو اور مسلم اپنے دلوں کو کسی مشکل کام میں ساتھ نہیں رکھ سکیں گے۔

گاندھی جی اور اردو زبان

اردو، ہندی اختلاف کو ختم کرنے کے لیے گاندھی جی (موہن دام کرم چند گاندھی-۱۸۶۹ء-۱۹۴۸ء) نے سال ۱۹۲۰ء میں کوشش کی کہ ہندی اور اردو کا نام ختم کر کے اسے ''ہندوستانی زبان'' کا نام دیا جائے ، اور اس کے لیے دو رسم الخط یعنی فارسی رسم الخط اور دیوناگری رسم الخط کو تسلیم کیا جائے ، لیکن گاندھی جی کو کامیابی نہ مل سکی۔ آزادی ہند کے بعد جمہوری حکومت نے سال ۱۹۵۰ء میں ''ہندی'' کو ملک کی قومی زبان (National Language) قرار دیا۔ سلطنت اسلامیہ کے عہد میں بلاتفریق مذہب وملت ہر کوئی فارسی پڑھتا تھا، کیونکہ یہ ملک کی دفتری زبان تھی۔ خود میری ملاقات چند ایسے معمر ہندوؤں سے ہوئی جو فارسی کی مشہور کتابیں گلستاں و بوستاں پڑھے ہوئے تھے۔ چند سالوں قبل ملار ضلع اڑپی (کرناٹک) میں ایک گورنمنٹ اردو اسکول کی سالانہ تقریب میں مجھے افتتاحی خطاب کے لیے مدعو کیا گیا تھا، یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی کنڑ زبان بولنے

والے ہندوطلبہ وہاں اردو زبان پڑھتے ہیں۔یہ دیکھ کر مجھے ہندوستان کا عہد ماضی یادآنے لگا۔زمانۂ ماضی میں اردوزبان کے بے شمار ادباوشعرا قوم ہنود سے تعلق رکھتے تھے۔اردو،ہندی مباحثہ کے بعد اردوزبان کا رشتہ قوم مسلم سے جوڑ دیا گیااور قوم مسلم کی طرح اسے بھی اقلیتی زبان کا درجہ دیدیا گیااور اسی زبان کو دیونا گری رسم الخط میں لکھ کراور اس میں سنسکرت زبان کے الفاظ کوبکثرت داخل کرکے اسے''ہندی'' کے نام سے ایک مستقل زبان کا درجہ دیدیا گیا۔

دیونا گری رسم الخط

دیونا گری ایک قدیم رسم الخط ہے۔سنسکرت زبان بھی اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سی زبانوں کا رسم الخط دیونا گری ہے۔چونکہ ہندودھرم کی قدیم اور اہم کتابیں سنسکرت زبان میں ہے،اس لیے دیونا گری رسم الخط قوم ہنود کے لیے مذہبی رسم الخط ہوگیا۔جس طرح قرآن مجیدواحادیث مبارکہ کے علاوہ فقہ،تاریخ و دیگر اسلامی علوم کا خزانہ عربی زبان میں ہے،اس طرح عربی زبان اور عربی رسم الخط قوم مسلم کے لیے مذہبی زبان اور مذہبی رسم الخط ہے۔اب جبکہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھااور قوم ہنود نے اکثریت کی بنیاد پر ملک کو ہندوراشٹر بنانے کا پلان بنالیا تھا،بلکہ ملک کو ہندوراشٹر بنانے کی خاطر ہی قوم ہنود کے راجے،مہاراجے ہمیشہ ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کے لیے دردسر بنے رہے۔مرہٹوں کے حملے بھی اسی مقصد سے شروع کیے گئے تھے۔اب سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کے بعد قوم ہنود کونہ مسلمان ہضم ہورہے تھے،نہ ہی مسلمانوں سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز انہیں پسند آرہی تھی۔اب لامحالہ اردوزبان کا فارسی رسم الخط ان کو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی ایک یادگار نظر آرہا تھا،وہ اسے مٹادینا چاہتے تھے۔جب یہ نہ ہوسکا اور قوم مسلم نے اس رسم الخط کی حمایت کی تو پھر مجبوراً انہیں اسی زبان کے لیے دیونا گری رسم الخط کواختیار کرنا پڑا۔

اردوزبان سے ہندی کا وجود

سال ۱۸۸۰ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان قوم ہنود نے اردو کو ''دیونا گری'' رسم الخط میں لکھنا شروع کیا اور اسے''ہندی'' کا نام دے کر ایک الگ زبان کی شکل دیدیا۔قوم ہنود کے مطالبہ پر سال ۱۸۸۱ء میں برطانوی حکومت نے اردوکودیونا گری رسم الخط میں صوبہ بہار کی دفتری زبان قرار دیدیا۔اب اسی اردو کا نام ہندی ہوگیا اور پہلی مرتبہ ہندی کوصوبہ بہار میں دفتری زبان {Offcial Language} کا درجہ ملا۔ان واقعات سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ہندی زبان کا وجوداردوزبان کے بطن سے ہوا،اور ہندی زبان کے وجود سے صدیوں پہلے اردوزبان کا وجود ہو چکا تھا۔ہاں،سنسکرت ضرورقدیم زبان ہے،مگر سنسکرت اور ہندی دونوں ایک نہیں،بلکہ ایک دوسرے سے متغائرزبانیں ہیں۔جوقوم مسلمانوں کی زبان برداشت نہ کرسکی،وہ قوم مسلمانوں کوکیونکر برداشت کرسکتی ہے؟پھر ہمیں غیروں کا منہ تکنے سے کیا فائدہ؟بھارت میں باعزت زندگی چاہیئے تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑے گا۔حالات کے جبری تقاضے صاف اشارہ دے رہے ہیں کہ جس طرح شاہ بانوکیس کے وقت سال ۱۹۸۵ء/۱۹۸۶ء میں تمام مسلمان متحد ہوگئے تھے،اسی طرح آج بھی ہمیں ملی وقومی مسائل پراتحادکی سخت ضرورت ہے۔ہاں،اتحاد بھی شرعی دائرہ میں ہو۔اسلام کے تحفظ کے لیے قانون اسلام کی پامالی نہ کی جائے۔والله الهادی الیٰ سبیل الحق۔

خطیب البراہین اور جماعتی انتشار

از:-مفتی عبدالحکیم نوری بانی علامہ فصل حق اکیڈمی بھوانی پور ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف وانتشار کی روایت قدیم ترین ہے۔ چونکہ اختلاف کی نوعیتیں مختلف ہیں لہٰذا ہر اختلاف کو ایک ہی خانہ میں رکھنا کسی طور پر درست نہیں۔ بعض اختلاف محمود ہے، جب کہ بعض کے مذموم ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ اگر اختلاف کا تعلق اُصول وعقائد سے ہوتو بلا شبہ وہ مذموم ہے۔ اختلاف کرنے والوں سے دُور ونفور لازم وضروری ہے۔ اُس سے اتحاد کسی طور پر جائز نہیں، بلکہ بدعقیدگی کو دیکھ کر خاموشی اور غیر جانب داری کا مظاہرہ بیہودگی کے سوا کچھ نہیں۔

ناصبیوں اور خارجیوں نے عقائد اہل سنت سے اختلاف کیا، اپنے طور پر دلائل پیش کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ محققین، متکلمین اُنھیں گم راہ وگم راہ گر قرار دیتے تکفیر نہ کرتے۔

جب کہ جمہور فقہائے کرام اُنھیں ضال ومضل قرار دینے کے ساتھ تکفیر کرتے رہے۔ متکلمین ہوں یا فقہاء اُن سے اتحاد کی اجازت نہ دیتے، اگر کسی نے اپنے کو غیر جانب دار قرار دیا تو اُسے صلح کلّیت ومنافقت کے خانہ میں رکھ کر بیزاری کا مظاہرہ کرتے، اُس کے برخلاف جنگِ صفّین وجمل جو صحابۂ کرام کے درمیان ہوئی بلا شبہ حق شیرِ خدا مشکل کشا کے ساتھ تھا۔

مگر حزبِ مخالف کے افراد کسی طور پر کینہ پرور نہ تھے، زیادہ سے زیادہ ظاہر پر عمل کرنے کے باعث اجتہاد میں لغزش کے شکار تھے، دونوں گروپ کے افراد ایک دوسرے کی قدر ومنزلت سے واقف تھے، دونوں دینِ اسلام کے سچے خادم ورہنما تھے، دونوں گروپ سے الگ تھلگ کچھ ایسے افراد بھی تھے جو دینی علمی خدمات میں ہمہ تن مصروف تھے، جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جس طرح دونوں جماعتوں میں سے کسی کی تفسیق وتضلیل منع ہے اسی طرح دونوں سے الگ رہکر دینی علمی خدمات انجام دینے والوں کو صلح کلّیت کے خانہ میں نہیں رکھا جاسکتا۔

بلکہ حتی الوسع اُن کی بالغ نظری اور خدماتِ دینی کو سراہا جاتا رہا ہے، صحابہ کے بعد ائمۂ مجتہدین میں بھی اختلاف رہا ہے، چونکہ! ہر مجتہد عقیدۂ اہل سنت پر گامزن تھا سب کے سب اصول وعقائد میں متحد تھے۔ لہٰذا مسائل فرعیہ میں اختلاف اجتہاد کے باعث ہوا اس لیے ہر مجتہد قابلِ قدر ہے، اُن کی عظمتیں وہم خیال سے بالاتر ہیں، ہر ایک کی عزت وعظمت کا پاس ولحاظ کرنے والا صلح کلی نہیں، بلکہ حق کا پاسبان ہے۔ یونہی ائمہ مشارب قادری، چشتی، سہروردی، نقش بندی کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے۔ ذکر الٰہی جہری ہو یا سرّی۔ ایک جماعت سرّی کی قائل ہے، جب کہ دوسری جماعت ذکرِ جہری کو پسند کرتی ہے۔

دونوں جماعتوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کتابیں تصنیف کیں، دونوں کے درمیان مناظرے بھی ہوئے، چونکہ دونوں جماعتوں نے رجوع الی اللہ کو اپنا مشن بنایا تھا۔ لہٰذا! دونوں عزت واحترام کے مستحق تھے۔ اور دونوں سے تعلق خاطر رکھنے والا صلح کلی نہیں بلکہ صالحین کے زمرہ میں داخلہ کا متمنی ہے۔

خطیب البراہین حضرت علامہ صوفی محمد نظام الدین قادری برکاتی رضوی نور اللہ مرقدہٗ کے پیرومرشد سیدنا مفتی اعظم قدس سرہٗ کے دورِ حیات میں پوری جماعت شیروشکر کی طرح رہی کسی کو اختلاف

وانتشار کے جرأت نہ تھی ،اُن کے وصال کے چند سال بعد اختلاف وانتشار کا دور دورہ ہوا، اکثر اختلاف کا تعلق فروعی مسائل سے تھا ، ہاں بعض کا تعلق اصول وعقائد سے بھی رہا ہے۔

(۱) اصول وعقائد میں اختلاف حسام الحرمین کی تصدیق وعدم تصدیق کے باعث ہوا ہے ۔حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مولوی ظفر ادیبی کو دارالعلوم اشرفیہ سے عدم تصدیق کے باعث خارج کر دیا تھا ۔ بلاشبہ حضور حافظ ملت نے عظیم فتنہ کے اخراج سے ذہن دیا تھا کہ جسے مدرسہ میں پڑھانے کا حق نہیں تو اُسے کسی دینی جلسہ میں تقریر کرنے کا بھی حق نہیں ،مگر علمائے کرام یہ سمجھنے سے قاصر رہے ، یہی وجہ ہے کہ اپنے جلسوں میں مدعو کرتے ،سلام وکلام ،خورد نوش کے سلسلہ کو برقرار رکھا ،مولوی ادیبی کی جرأت وہمت ترقی پذیر رہی اور شبہات کا جال تیار کرنے کے بعد علماء اور پڑھے لکھے عوام کو پھنسانے کی کوشش کرتے رہے۔

ربِّ کائنات فضل وکرم کی موسلا دھار بارش فرمائے خلیفہ بدر ملت ، امام علم وفن کے تلمیذ ارشد حضرت علامہ مفتی کوثر حسن قادری رضوی دام ظلہ العالی پر کہ جنھوں نے ادیبی کے بُنے ہوئے جال کو تارِ عنکبوت کی طرح بکھیر کر رکھ دیا۔

اشتہار۔'حکم شرعی بر ہفواتِ ادیبی' کو پورے ہندوستان میں شائع فرمایا اور ادیبی کے فتنہ کے خلاف 'کشفِ نوری از کفر کفّ لسان ادیبی' تصنیف فرما کر علمائے اہلِ سنت پر احسانِ عظیم فرمایا چونکہ مولوی ظفر ادیبی کا فتنہ عقائد اہل سنت کے خلاف تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی شریف الحق امجدی ،حضرت علامہ عاشق الرحمٰن حبیبی ،حضرت علامہ مفتی قدرت اللہ رضوی کی طرح حضور خطیب البراہین بھی عقیدۂ اہلِ سنت کے حامی اور فتنۂ ادیبی کے سخت مخالف تھے۔

(۲) پھلواری خانقاہ کے سجادگان معمولاتِ اہل سنت پر کاربند ہونے کے ساتھ ،میلاد شریف ،حضور رحمت عالم ﷺ کے علم غیب کے عقیدہ میں اہلِ سنت کے ساتھ ہیں ، دیوبندی اکابر کی گستاخیوں کو خطا قرار دیتے ہیں مگر گستاخیوں کی تکفیر نہیں کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند کے ہم نوالہ وہم پیالہ ہیں ،علمائے حرمین طیبین کی تصدیقات 'حسام الحرمین' کو تسلیم نہیں کرتے ،میلاد وفاتحہ کے باعث عوامِ اہل سنت بلکہ بعض علما اُن کے فریب کے شکار ہو گیے ، اُن کے خلاف بھی مفتی کوثر حسن قادری نے تحریک چلائی ۔ اشتہار:'تابش نورِ حق' 'احکام نوری' کی تصنیف سے بفضلہٖ تعالیٰ حق واضح ہوگیا اور اکابراہلِ سنت خصوصاً خطیب البراہین کی پُر زور تائیدات سے امان اور امانی کی گم راہیت آشکار ہوگئی۔

یہ دومثالیں کافی ہیں کہ حضور خطیب البراہین عقائد اہلِ سنت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو کسی طور پر معاف نہیں کرتے اور حسام الحرمین کی تائید نہ کرنے والا بظاہر کتنا بڑا کہلاتا ہو اُسے 'مــن شک فی کفره وعذابه فقد کفر' کے زمرہ میں داخل کرتے صلح کلیت ومنافقت کے دل دادوں کو اپنے قریب بھٹکنے بھی نہیں دیتے ،اب لگے ہاتھوں اہلِ سنت کے درمیان فروعی اختلاف کا منظر نامہ ملاحظہ فرماتے چلیں:

بفضلہٖ تعالیٰ صوفی باصفا حضور خطیب البراہین قدس سرہٗ نے مجتہد صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی وفا شعاری کا ثبوت پیش کیا ہے۔

(۱) ناشرِ سنّیت ،قاطع بدعت حضرت علامہ حسین حلمی استانبولی نقش بندی مجددی قدس سرہٗ نے انگلش زبان میں ایک مقالہ تحریر فرمایا تھا جس میں عکس وتصویر پر گفتگو کرتے ہوئے ٹی ،وی میں نظر آنے والی صورت کو عکس قرار دیا تھا۔ ہندوستان کے ایک معتمد عالم دین نے ٹی وی پر نظر آنے والی صورت کو چند شرطوں کے ساتھ جواز کا فتوی صادر فرمادیا۔علماء کے درمیان اختلاف رونما ہوا کہ وہ صورت عکس ہے یا تصویر۔تصویر ہونے کی صورت میں ہر ایک کے نزدیک ناجائز اور

عکس کی صورت میں ہر ایک کے نزدیک جائز۔
یہ علمی مسئلہ تھا۔ ہر ذی علم کو اپنی رائے پیش کرنے کا بھرپور حق تھا مگر علمی مسئلہ وقار وشخصیت کا مسئلہ ہوگیا ،تو ڈھیگاں مستیاں لازم ہوگئیں۔ دونوں گروپ کے افراد نے حزبِ مخالف کی توہین وتذلیل میں کوئی کسر باقی نہ رکھی ،اس اختلاف کے باعث دوریاں بڑھتی رہیں ،نقصان یہ پیدا ہوا کہ مخالفینِ اہل سنت کو اختلاف پر مواد فراہم ہوگیا ،اس اختلاف سے یہ فائدہ ہوا کہ خانقاہوں نے عظیم الشان مدرسے قائم کر لیے اس لیے کہ خانقاہوں کے پاس مدرسے نہ کے برابر تھے آج ہر پیر کے پاس مدرسہ ہے۔
بنگال میں حضرت سید مسرور میاں کلیمی قدس سرہٗ کے پاس ایک درجن کے قریب مدرسے ہیں اور ممبئی میں حضرت سید معین میاں کے مدرسوں کی تعداد نصف درجن سے کم نہ ہوگی ، بریلی شریف میں جامعہ الرضا ،پھپھوند شریف میں جامعہ صمدیہ ، کچھوچھ شریف میں متعدد عالی شان عمارتوں پر مشتمل مدارس جلوہ گر ہوئے۔
چونکہ یہ اختلاف فروعی تھا، اصولی اور اعتقادی نہیں۔
لہٰذا شریک نہ ہونے والوں پر کوئی حکم نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ حضور خطیب البراہین الگ تھلگ رہ کر خدمتِ دینِ متین انجام دیتے رہے اور ہر عالم اہلِ سنّت کی عزت وعظمت کے پاسدار رہے۔
حضور خطیب البراہین علیہ الرحمہ نے مخالفین کا ساتھ نہ دے کر خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے، آج خطیب البراہین کے جانشین حبیب العلماء حضرت علامہ الحاج حبیب الرحمٰن رضوی دام ظلہٗ العالی اپنے والد گرامی کے مشن پر سختی سے قائم ہیں، اُصولی وکلامی مخالفین سے دُور ونُفور اور فروعی ولفظی اختلاف کو اِخْتِلَافُ اُمَّتِـــی رَحْمَةٌ ' قرار دیکر فریقین سے نفرت کے بجائے سینہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں ۔یہی وجہ ہے خطیب البراہین کے عرس مقدس میں جماعتی اختلاف کو ہوا دینے والوں کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ۔ذٰلک **فضل الله يؤتيه من يشاء.**

منظوم فضیلت رمضان

از:-مولانا پھول محمد نعمتؔ رضوی ،مظفر پور بہار

☆

ہوتی ہیں ہر گھر میں نازل برکتیں رمضان میں
روزہ رکھ کر خوب لوٹو رحمتیں رمضان میں
جو نہیں رکھتا ہے روزہ عذر شرعی کے بغیر
وہ اٹھاتا ہے بہت ہی ذلّتیں رمضان میں
رحمت و برکت کو شامل مل رہی ہے مغفرت
کر لو حاصل ہر طرح کی دولتیں رمضان میں
ملتا ہے ہر فرض کا ستر گنا زائد ثواب
روزہ داروں میں ہیں بٹتیں جنتیں رمضان میں
روز و شب صبح و مسا ہے نیکیوں کا سلسلہ
ختم ہیں شیطاں کی ساری طاقتیں رمضان میں
جس پہ کوئی بھی کرتا نہ تھا چشمِ کرم
اُس کی بھی سب کر رہے ہیں عزتیں رمضان میں
اس مبارک ماہ میں نادار بھی رہتے ہیں خوش
خود پہ نازاں ہو رہی ہیں غربتیں رمضان میں
تم اگر رمضاں میں رمضاں کا کروگے احترام
پاؤ گے نعمتؔ خدا کی نعمتیں رمضان میں

جانے والے نہیں آنے والے

والد محترم الحاج ابرار احمد قادری مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر ایک غم آلود تحریر

از:- مفتی محمد سلیم بریلوی

مؤرخہ ۴؍رجب المرجب ۱۴۳۸ھ /۲؍اپریل ۲۰۱۷ء بروز اتوار تقریباً رات ۱۱؍بجکر ۴۵ منٹ کا وقت تھا۔راقم الحروف یونائیٹیڈ پریس پر بیٹھا جامعہ رضویہ منظر اسلام سے نکلنے والے سالانہ ''مرکزی ریحان ملت کیلینڈر'' کو تیار کررہا تھا کہ اچانک موبائل پر میرے چھوٹے بھائی حافظ وقاری مولانا محمد علیم برکاتی کا میسیج آیا کہ ''ابّا جی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔انہیں ابھی ابھی بریلی شریف میں واقع مشن ہاسپٹل میں دکھانے کے لیے گھر سے لے کر روانہ ہوئے ہیں۔''میسیج پڑھتے ہی میں پریس سے اٹھا ہی تھا کہ مشن ہاسپٹل جاؤں۔ابھی راستے ہی میں تھا کہ پھر حزن وملال اور اشکوں میں ڈوبا دوسرا میسیج آیا کہ''ابّا جی کو راستے ہی سے واپس لا رہے ہیں اور اب وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں''۔موت کی خبر تو بلا شبہ غمناک ہوتی ہی ہے خواہ وہ غیر کی موت ہی کی خبر کیوں نہ ہو۔اس خبر سے جو غم آلود اثرات مرتب ہوئے انہیں بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔میسیج پڑھ کر کلمۂ ترجیع انا لله و انا اليه راجعون۔ پڑھا اس کے ساتھ ہی زبان پر پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے والے وہ مقدس کلمات جو آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فرزند گرامی حضرت ابراہیم کے وصال پر ارشاد فرمائے تھے وہ جاری ہو گئے کہ لله ما اعطى وله ما اخذ وكل شىء عنده بمقدار ولا نقول الا ما يرضىٰ ربنا العظيم والحمد لله علىٰ كل حال ۔**ترجمہ**:اللہ ہی کا ہے جو اس نے دیا اور اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا اور اس کے یہاں ہر چیز کی عمر مقرر ہے اور ہم اپنی زبان پر وہی لاتے ہیں جس سے ہمارا عظیم رب راضی ہو اور ہر حال میں اللہ ہی کی حمد وثناء ہے۔

گھر آکر اپنی اہلیہ اور اپنی اکلوتی بیٹی عطیہ رسول نوری کو لے کر تقریباً سوا بارہ بجے رات میں اشک آلود آنکھوں کے ساتھ بہیڑی کے لیے روانہ ہو گیا۔تقریباً ا؍بجکر ۱۵؍منٹ پر میں بہیڑی پہونچا۔گھر کے باہر روڈ پر کرسیاں پڑی ہوئیں تھیں۔اتنی رات ہو جانے کے باوجود پوری گلی میں اعزہ واقارب اور دوست واحباب حزن وملال کی تصویر بنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔وہ گلی جس سے والد مرحوم کی بہت سی یادیں جڑی ہوئی ہیں اور جس گلی میں ہر چھوٹے بڑے سے خیر وخیریت پوچھنے والے اُن کے محبت بھرے جملے گونجتے تھے آج وہ گلی اور اس گلی میں واقع تمام مکانات حزن وملال کی چادر میں لپٹے مرثیہ خوانی کی تصویر پیش کرتے ہوئے گویا زبان حال سے یوں کہہ رہے تھے کہ ؎

اکیلا ہوں مگر آباد کر دیتا ہوں ویرانہ
بہت روئے گی میرے بعد تیری شام تنہائی

صبر وضبط کے ساتھ تمام لوگوں سے سلام کرتا گھر کے اندر داخل ہوا تو والد بزرگوار کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔قریب ہی میں گھر کی مستورات بیٹھی بلا آواز آنسو بہارہی تھیں۔قریب جا کر چہرہ دیکھا تو آج چہرے پر عام دنوں سے زیادہ نور تھا۔چھوٹی بہنیں زار وقطار رو رہی تھیں۔والدۂ محترمہ کے انتقال کے بعد یہی دو چھوٹی بہنیں تھیں کہ جو اُن کے کھانے پینے اور چائے ناشتے وغیرہ کا انتظام کیا کرتی تھیں۔اُن کے کپڑے اور دیگر ضرورتوں کا وہ ہمہ وقت خیال رکھتی تھیں۔اِن دونوں کو کسی طرح قرار نہیں آ رہا تھا۔کمسنی ہی میں ان دونوں بہنوں کے سروں سے پہلے والدہ اور اب والد کا سایہ اٹھ گیا ایسی صورت میں اضطراب و بے چینی اور حزن و ملال لازمی امر ہے۔اُن کے اس حزن و ملال اور غم واندوہ کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا گویا کہ وہ اپنے آنسوؤں کی زبان سے یہ کہہ رہی ہوں کہ ؎

اُن کی رفاقتوں کو نہ بھول پائے گا دل کبھی
جو تنہا ہمیں چھوڑ کر نہ جانے کدھر گئے

اپنے آنسوؤں کی زبان سے یہ دونوں ہماری چھوٹی بہنیں ہمیں اور ہمارے اقارب کو ایک خاموش پیغام یہ دے رہی تھیں کہ

ارباب چمن اُن کو بہت یاد کریں گے
ہر شاخ پہ وہ اپنا نشاں چھوڑ گئے ہیں

بڑے بھائیوں اور بڑی بہن کے ساتھ چھوٹے بھائی بھی اِدھر اُدھر کھڑے کبھی کسی گوشۂ تنہائی میں تو کبھی گھر کے صحن میں یا گھر کے کسی کمرے میں بے آواز آنسوں بہا رہے تھے۔ہر ایک اپنے آنسوؤں کو دوسروں سے چھپانے کی کوشش اس وجہ سے کر رہا تھا کہ ہمیں دیکھ کر کہیں دوسرا صبر وضبط کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھے۔عزیز واقارب ہر ایک کو ڈھارس بندھا رہے تھے۔صبر کی تلقین کر رہے تھے۔چونکہ والد مرحوم اپنی زندگی میں کسی کی موت پر آواز کے ساتھ رونے کو نہ صرف یہ کہ سخت ناپسند کرتے بلکہ ڈانٹ بھی دیا کرتے تھے۔ہمارے بھائی بہنوں کو بھی آج عزیز واقارب ہمارے والد مرحوم کا وہی رویہ یاد دلاتے ہوئے صبر کی تلقین کر رہے تھے گویا کہ یہ حضرات یوں کہہ رہے تھے کہ

آنکھیں رو رو کے سجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

حزن وملال کو ختم کرنے کے لیے علامہ کافی کے اشعار کی زبان میں یوں صبر کرنے کو کہہ رہے تھے کہ ؎

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
بس رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زباں پر خالی سخن رہ جائے گا

پھر دیکھتے ہی دیکھتے علامہ کافی کے مقطع کے دوسرے مصرع کی تصویر کشی یہاں بھی نظر آنے لگی۔عزیز واقارب اور راقم الحروف کی صبر وضبط سے کام لینے اور کلمات طیبہ،دُرود پاک اور دیگر اوراد و وظائف پڑھنے کی تلقین کا فوری طور پر اثر یہ دیکھنے کو ملا کہ بے آواز آنسوؤں کے ساتھ زبانوں پر نیاحت و بین کے الفاظ کی جگہ دُرود پاک،کلمات طیبہ،اوراد و وظائف اور قرآن کریم کی مخصوص سورتوں کا وِرد ہونے لگا۔

فلسفۂ موت وحیات: —یوں تو دنیا میں آنے والی ہر ذی روح اور ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔جو بھی اس دنیا میں آیا اُسے ایک

نہ ایک دن جانا ہی ہے۔ مگر انہیں میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے نہ آنے کا پتہ چلتا ہے اور نہ جانے کا مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جب تک وہ دنیا میں رہتے ہیں تو اپنے چال و چلن، رہن سہن، عادات واَطوار، بول چال، محبت والفت اور اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں گھر کیے رہتے ہیں مگر جب یہی لوگ اِس دنیا سے جاتے ہیں تو دنیا والے اُن کے تذکرے کافی دنوں تک کرتے رہتے ہیں۔ ان کی عادتوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اُن کے حسن اخلاق کا چرچہ کیا جاتا ہے۔ اُن کی ہمدردی وغم گساری کو یاد کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کے کام آنے والی عادت کو بھی سراہا جاتا ہے۔ ہر خوشی وغم کے موقع پر ہر ایک کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہونے کو بھی لوگ یاد کرتے ہیں۔ اس طرح ایسے لوگ زمین کے نیچے دفن ہو جانے کے بعد بھی لالہ وگل کی طرح شگفتہ رہتے ہیں اور بہت سے دلوں میں اپنی یادوں کے نقوش چھوڑ کر زندہ وتابندہ رہتے ہیں۔

تذکروں سے دل مرے شاد کرے گی دنیا
میں نہ ہوؤں گا تو مجھے یاد کرے گی دنیا

یہی ہے وہ کامیاب زندگی جس کی قرآن کریم نے یوں بشارت دی کہ ان الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن ودّا۔ **ترجمہ**:- بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب اُن کے لیے رحمان محبت کرے گا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کو اپنا محبوب بنائے گا اور اپنے بندوں کے دل میں اپنی محبت ڈال دے گا۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو محبوب کرتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے فلاں میرا محبوب ہے تو جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرائیل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب رکھتا ہے سب اس کو محبوب رکھیں۔ تو سب اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنین صالحین کی مقبولیت عامہ اُن کی محبوبیت کی دلیل ہے۔ (خزائن العرفان)

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر مذکور سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو اپنی تھوڑی سی حیات دنیوی کو اس انداز میں گزارنا چاہیئے کہ موت کے بعد بھی وہ لوگوں کے دلوں میں محبوب بن کر زندہ رہے۔ موت کے بعد بھی لوگ اس سے محبت کریں۔ اہل زمین اُس کے حسنات اور اُس کی نیکیوں، اچھائیوں اور خوبیوں کے تذکرے کے ساتھ اُسے یاد رکھے۔ یہی ایک کامیاب زندگی ہے اور اس کامیاب زندگی کو گزار کر دار بقا کی طرف ''الرحیل'' کا نعرۂ مستانہ لگا کر جانے والے کو دنیا والے محبتوں کا سلام پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے ہی افراد کے لیے ارشاد فرمایا: من عملا صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ۔ **ترجمہ**: جس مرد وعورت نے ایمان کی حالت میں نیک کام کیے تو ہم انہیں ضرور ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔

ایک کامیاب زندگی اور ایک کامران موت: دنیا کے اندر جتنے مذاہب ہیں، ہر مذہب میں جتنے فرقے ہیں اور ہر فرقے میں جتنے افراد ہیں ان میں مذہبی، مسلکی، دنیوی، اعتقادی، لسانی، علاقائی اور رنگ ونسل جیسے بے شمار اختلافات ہیں۔ ہر ایک اپنے مذہب اور اپنی جماعت اور ہر فرد اپنی رائے کو سب سے بہتر مانتا، جانتا اور بتاتا ہے۔ یہ پوری دنیا ہی اختلافات کا مجموعہ ہے۔ اگر

پوری دنیا کسی بات پر متفق ہے تو وہ صرف ایک چیز ہے ''موت''۔موت کے سلسلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ ہر ایک یہ جانتا اور مانتا ہے کہ موت برحق ہے۔ ہر حال میں ہر ایک کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔البتہ اس میں ضرور اختلاف ہے کہ کونسی زندگی کامیاب ہے اور کس زندگی کو گزارنے کے بعد آنے والی موت کو ایک کامران موت کا نام دیا جائے۔ کسی کا نظریہ ٹھہرا کہ دنیا میں بے شمار دولت کما کر اپنے وارثوں کو پر تعیش زندگی کا سامان فراہم کر کے موت کو گلے لگانے والا ایک کامیاب انسان اور ایک کامران موت کا مالک ہے۔ کسی نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ دنیا میں بڑی بڑی عمارتیں بنا کر دنیا والوں کو تحفہ دے کر اس دنیا سے جانے والے کو کامیاب زندگی کا مالک اور ایک کامران موت کو گلے لگانے والا شخص قرار دیا جائے تا کہ اس کی بنائی ہوئی عمارتوں کو دیکھ کر لوگ اسے یاد رکھ سکیں۔ کسی نے یہ فکر پیش کی کہ بڑے سے بڑے عہدے پر فائز رہ کر زندگی گزارنے والے شخص کو کامیابی کی سند عطا کی جائے ۔غرض کہ کامیاب زندگی اور کامران موت کو انسانوں نے مختلف زاویے اور مختلف اینگلز سے دیکھا ۔لیکن اسلامی فکر ان تمام مذکورہ فکروں اور نظریات کو باطل قرار دیتے ہوئے کامیاب زندگی اور کامران موت کے سلسلہ میں ایک بے مثال نظریہ پیش کرتی ہے۔ چنانچہ اسلام اس شخص کو کامیاب زندگی گزارنے والا اور کامران موت پانے والا بتاتا ہے کہ جس نے اپنا مقصد حیات صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے، آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عنایت کردہ اصولوں پر گامزن رہنے اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرمابرداری کرنے کو بنایا ہے۔اس نے اپنی پوری زندگی محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی حیات مبارکہ کو جاننے، ان کے عطا کردہ شعبہ ہائے زندگی کو اپنانے، ان کے نافذ کردہ احکام کو ماننے، انہیں احکام کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے اور اپنی دینی و دنیوی زندگی گزارنے میں کسی غیر مذہب اور بد مذہب کے اصولوں اور تعلیمات سے اعراض، روگردانی اور کوئی لگاؤ نہ رکھنے میں گزاری ہو۔ایسی زندگی گزار کر جب کوئی مخلص، وفا شعار اور عشق رسول میں سرشار شخص اس دنیا سے جاتا ہے تو بلا شبہ اہل اسلام اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ یہ شخص دنیا سے سچا مسلمان بن کر گیا ہے۔اسی صحیح اسلامی فکر اور حق نظریہ کو سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی جامعیت اور عمدگی کے ساتھ اپنے اس شعر میں یوں بیان فرمایا ہے کہ ؎

انہیں جانا، انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد !میں دنیا سے مسلمان گیا

ایک سنی صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے مذکورہ اوصاف پر مشتمل کامیاب حیات و زندگی گزارنے کے بعد کامران موت ملنے کے سلسلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ یوں دعا فرماتے ہیں کہ ؎

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے
یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا

بلکہ اس کے لیے مزید ترقی کی دعا فرماتے ہوئے یہ تمنا کرتے ہیں کہ ایک عاشق رسول، ایک وفا شعار امتی اور ایک سنی صحیح العقیدہ مسلمان جب اس دنیا سے جائے تو اس کی شان یہ ہو کہ ؎

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

والد مرحوم کی چند خوبیاں: یوں تو ہمارے والد مرحوم نے اپنی آنکھیں ایک خوشحال کاشتکار گھرانے میں کھولیں۔ ہمارے جدِّ امجد محمد علی قصبہ شیشگڑھ ضلع بریلی کے رہنے والے تھے۔اُن کی شادی قصبہ بہیڑی میں ہوئی تھی۔شادی کے بعد وہ بہیڑی ہی منتقل ہو گئے۔اُن کو عوامی سطح پر علی سے علّی بولا جاتا تھا اس وجہ سے ہمارے جد امجد کی نسل کو ''علّی والے'' کہا جاتا ہے۔قصبہ بہیڑی میں ایک چوراہا بھی ''علّی چوراہے'' کے نام سے مشہور ہے۔اِن کی کاشتکاری کی زمینیں قصبہ بہیڑی سے تقریباً ۱۵ رکلو میٹر دور ''شیروں والی ڈنڈیا'' نامی بستی کے پاس تھیں۔ہمارا یہ خاندان بہیڑی کے چند بڑے اور معزز خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔۱۹۴۴ء میں والد صاحب کی ولادت ہوئی۔والدین نے دینی تعلیم کے ساتھ مذہبی ماحول میں تربیت کی۔عہد شباب میں قدم رکھتے ہی کاشتکاری چھوڑ کر سبزی کی تجارت شروع کر دی۔اللہ رب العزت کا فضل و احسان کہ رب العزت نے تجارت میں بے پناہ برکت عطا فرمائی۔یہ سبزی کی تجارت اتراکھنڈ، اترپردیش، دہلی، کلکتہ اور پٹنہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ کافی محنت ومشقت کرتے۔تجارت میں دیگر شرکاء بھی تھے مگر پوری زندگی کبھی کسی کو حساب کتاب وغیرہ کے سلسلہ میں والد صاحب سے کوئی شکایت نہ رہی۔رات و دن محنت کرتے۔کبھی دہلی، کبھی کلکتہ، کبھی پٹنہ تو کبھی اتراکھنڈ کے اضلاع ہلدوانی، ستارگنج، کاشی پور، شکتی فارم وغیرہ۔ہفتوں مہینوں ہم اپنے والد صاحب کی صورت نہیں دیکھ پاتے۔اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں رزق حلال کے ساتھ راہِ خدا اور امور خیر میں خرچ کرنے کی توفیق رفیق سے بھی نوازا تھا۔سخاوت کے وصف سے متصف تھے۔ہاتھ کھلا تھا۔ہم نے اپنے بچپن میں خود دیکھا کہ جب بھی تجارتی سفر سے واپس آئے تو کبھی خالی ہاتھ گھر میں داخل نہ ہوئے۔موسمی پھلوں کے علاوہ دوسرے شہروں کی مشہور اشیائے خورد و نوش بھی ساتھ میں لاتے۔ایک بہت ہی وسیع زمین میں ۷ رگھروں پر مشتمل ہمارا ایک بہت بڑا کنبہ تھا۔اپنے ساتھ لائی ہوئی اشیائے خورد و نوش کو سارے گھروں کے بچوں میں بلا بلا کر تقسیم کرتے۔محلے کے بچوں کو بھی دیتے۔رشتہ داروں کے گھروں پر بھی بھجواتے۔چونکہ یہ ہمارا بچپن کا عالم تھا۔شعور کی منزل سے ہم ابھی بہت دور تھے۔بچپنے کی رقابت جوش مارتی تو ہمیں یہ بُرا بھی لگتا کہ سامان تو ہمارے ابّا جی لائے ہیں اور کھا سارے بچے رہے ہیں۔مگر ابّا جی کا رعب و دبدبہ اتنا ہوتا کہ زبان سے کچھ کہنے کی ہمت کسی بچے کو نہ ہوتی۔رشتہ داروں میں بہت سے ایسے تھے جن کی در پردہ آپ مدد کرتے۔گھر کے لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا اور خاموشی کے ساتھ روپئے پیسے، غلّہ، کپڑے، اشیائے خورد و نوش اور دوا وغیرہ کے ذریعہ بہت سے رشتہ داروں اور غیروں کی مدد کر دیتے۔پورے خاندان کی خیر خواہی کرتے۔ہر ایک کے اچھے برے میں شریک ہوتے۔کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کو جاتے۔کوئی انتقال کر جاتا تو اگر گھر پر ہوتے تو ضرور شرکت کرتے اور جب تجارت سے سبکدوش ہو گئے اور گھر ہی پر رہنے لگے تب تو ان معمولات میں اور زیادتی ہو گئی۔ہر چھوٹے بڑے سے خیر و خیریت معلوم کرتے۔بڑوں کا بے پناہ احترام کرتے اور اپنے چھوٹوں سے نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے۔کسی کے بارے میں بھی سن لیتے کہ وہ بیمار ہے تو ضرور دیکھنے جاتے۔کہیں انتقال ہو جاتا تو تدفین میں شرکت کرنے کے ساتھ ہر فاتحہ میں بھی شامل ہوتے۔عید وغیرہ پر ہر ایک سے ملنے جاتے۔علماء

اور مذہبی شخصیتوں سے بے پناہ محبت فرماتے اور اُن کی خوب سے خوب تر مہمان نوازی اور خدمت انجام دیتے۔ مہمان نوازی میں اُن کی مثال دی جاتی۔ اُن کے انہیں اوصاف کی بنیاد پر پورا خاندان اُن کی بے پناہ عزت بھی کرتا اور خاندان والے اپنے ہر کام میں اُن کے مشورے کو فوقیت بھی دیتے بلکہ شادی بیاہ وغیرہ کے کام بغیر اُن کے مشورے کے تکمیل تک ہی نہ پہنچتے۔ ہم نے کئی بار دیکھا کہ رشتہ داروں میں کسی کی بیٹی کی شادی ہے اور اس کے پاس خاطر خواہ سامان نہیں ہے تو کرانے کی دوکان سے پوری شادی کی ضیافت میں کام آنے والے سامان خرید کر پہونچا دیتے۔ جہیز کم ہے تو اُسے پورا کر دیتے۔ کسی کا بچہ رو رہا ہے تو اسے بہلانے کے لیے دوکان سے چیز خرید کر دے دیتے۔

خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ والد محترم خاندان اور غیر خاندان کے بچوں اور جوانوں پر بہت کڑی نگاہِ تادیب رکھتے تھے۔ جو بچے اپنے والدین سے نہیں ڈرتے ہم نے دیکھا کہ وہ والد صاحب سے بہت خوف کھاتے۔ خاندان اور محلے کے بچے اور جوانوں کو اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ ہمارے والد صاحب باہر سے آئے ہوئے ہیں تو گلی میں نکلنے کی جرأت نہ کرتے۔ کھیل کود میں دکھائی نہ پڑتے۔ اگر کسی کو گلی محلے نکّڑ چوراہے پر فالتو کھڑا دیکھ لیتے تو ڈانٹنے کے ساتھ بسا اوقات پٹائی بھی لگا دیتے۔ پڑھائی کے اوقات میں گھر اور خاندان کے بچے تو دور اگر محلّے کے بچوں کو بھی گھر یا باہر دیکھ لیتے تو بہت سخت انداز میں باز پُرس کرتے۔

اعزہ واقربا کی مدد کرنے کے ساتھ دینی و مذہبی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ بچپن میں جب ہم مکتب کی تعلیم مدرسہ شیریہ میں حاصل کر رہے تھے تو ایک دن مدرسے میں آ گئے۔ دیکھا تپائیاں کم ہیں اور فرش و پٹّی کی حالت نہایت خستہ ہے۔ فوراً ہی کارپینٹر کے پاس جا کر اُسی دن تپائیاں بنوائیں۔ فرش و پٹّی والے کے پاس جا کر خود خرید کر لائے اور مدرسے کو وقف کر دیں۔

مسجد، مدرسے، قبرستان، جلسے اور اعراس کے چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ میاں والی مسجد میں میناروں اور خانقاہ شیریہ میں دیواروں پر جو ٹائلس لگی ہوئی ہیں وہ ہمارے والد صاحب ہی کی لگوائی ہوئی ہیں۔ گھر کے دروازے پر آنے والے کسی بھی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ اس سلسلہ میں اتنے سخت تھے کہ ایک مرتبہ آپ بیت الخلاء میں تھے۔ دروازے پر کسی سائل نے سوال کی آواز بلند کی۔ بچوں میں سے کسی نے کہہ دیا کہ بابا آگے بڑھ کر مانگو۔ وہ سائل یہ سن کر آگے بڑھ گیا مگر جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر باہر آئے تو نہایت غصے میں تھے۔ فوراً ہی باز پُرس ہونے لگی کہ کس نے کہا ہے؟ کہنے والے کو سزا تو ملی ہی اس کے ساتھ ہی گلی میں جا کر کے اُس سائل کو ڈھونڈھ کر لائے اور بیٹھا کر کے کھانا بھی کھلایا اور اُسے پیسے بھی دیئے۔

احادیث کریمہ میں کسب حلال کی نہایت فضیلت وارد ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے والد صاحب بہت ہی محتاط تھے۔ کبھی بھی اپنے بچوں کو حرام رزق کے قریب تک نہ بھٹکنے دیا۔ ہم اور ہمارے بھائی جس مکتب میں بھی پڑھے اُس کی بھرپور امداد کرتے۔ زکوٰۃ کے علاوہ اپنی طرف سے اتنی امدادی رقم دے دیتے کہ جو ہماری تعلیم پر آنے والے خرچ سے کہیں زیادہ ہوتی۔ قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد میں جب درس نظامیہ اور اعلیٰ تعلیم کے لئے مادرِ علمی گیا تو وہاں

کبھی بھی والد صاحب نے بلا خوراکی کا کھانا کھانے نہیں دیا۔ باقاعدہ اُس کے لیے خوراکی کی رقم جمع کراتے۔ اس کے علاوہ گھر سے جب مبارکپور کے لیے جاتا تو گھی، چاول مسالے جیسی اشیائے خورد ونوش ساتھ میں کر دیتے اور یہ حکم دیتے کہ زیادہ سے زیادہ کوشش یہ کرنا کہ خود اپنا بنا کر کھاؤ چنانچہ ہمارا طریقہ ۱۱؍سال تک مادرِ علمی میں یہی رہا کہ زیادہ تر کھانا اپنا بنا کر ہی کھاتے اور دال روٹی مادرِ علمی کے مطبخ سے جو لیتے اُس کی خوراکی جمع کرا دیتے۔ اس کے علاوہ وہ مادرِ علمی کو زکوٰۃ کی رقم تو دیتے ہی تھے مگر ساتھ ہی امدادی رقم بھی کافی خطیر وہاں جمع کراتے۔ ایک مرتبہ ہمارے ایک استاذ نے پوچھ ہی لیا کہ آپ زکوٰۃ کی رقم بھی دیتے ہیں، خوراکی بھی جمع کراتے ہیں اس کے علاوہ پھر امدادی رقم علیحدہ سے کیوں دیتے ہیں؟ تو آپ کا جواب یہ تھا کہ میرا بیٹا جو کھانا کھا رہا ہے اُس کا تو میں دے ہی دیتا ہوں مگر وہ ان ہاسٹلوں میں رہتا ہے، یہاں کا پانی بجلی وغیرہ سامان آسائش سے شادکام ہوتا ہے تو اُس کا بدل کیا ہوگا؟ چونکہ جامعہ نے اِس کی کوئی فیس نہیں رکھی تو اس لیے میں یہ امدادی رقم دیتا ہوں تاکہ اِن سب چیزوں کا یہ کچھ تو بدل ہو جائے کیونکہ میرا نظریہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ میرا بچہ صدقہ، زکوٰۃ اور خیرات کی رقم سے نہ پڑھے۔ یہی حال میرے چھوٹے بھائی حافظ وقاری مولانا محمد علیم برکاتی کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی رہا۔

اساتذہ کی تعظیم وتوقیر کی بے پناہ نصیحت کرتے۔ اس بات کی بھی نصیحت کرتے کہ جہاں بھی رہو وہاں کے مکمل وفادار بن کر رہو۔ اپنے کسی محسن کے احسان کو ہرگز نظر انداز نہ کرو۔ مادرِ علمی میں جب اسٹرائک ہوئی اور اس کی خبر ہمارے والد صاحب کو ہوئی تو فوراً فون کر کے حکم دیا کہ اساتذہ کے خلاف اسٹرائک کرنے والے طلبہ کے ساتھ ہرگز نہ رہنا۔ اس کے لیے بھلے ہی تمہیں کوئی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے چنانچہ ہوا بھی یہی کہ بہت دباؤ اور دھمکیوں کے باوجود راقم الحروف نے اسٹرائک کرنے والے طلبہ کا ساتھ نہ دیا۔

غرضکہ بہت سی یادیں ہیں، بہت سی باتیں ہیں۔ کس کس کا تذکرہ کیا جائے۔ بلا شبہ والدین کی خدمت بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ جس طرح آنکھ، کان، ناک اعضائے انسانی، فراخی رزق، عزت و وقار، مال و دولت، آل و اولاد یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اسی طرح والدین کی خدمت بھی ایک نعمت ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ انسان کو ہر نعمت سے نہیں نوازا جاتا۔ کسی کی قسمت میں کوئی نعمت آتی ہے تو کسی کے حصہ میں کوئی دوسری نعمت۔ ہمارا بھی حال یہی ہے کہ اپنی علمی و مسلکی مصروفیات اور دیگر خانگی الجھنوں، داخلی اور خارجی وجوہات کی بنیاد پر اس نعمت سے ہمیں بھرپور حصہ نہ مل سکا۔ مگر ہمارے بھائیوں نے اس سلسلہ میں کافی حق ادائیگی کا ثبوت دیا۔ کافی زمانے سے بیمار تھے اُن کی دوا، علاج، پرہیز اور دیگر ضروریات کا آخری دم تک بھرپور خیال رکھا۔ ہماری بہنوں نے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

حج بیت اللہ اور زیارت گنبد خضریٰ کی بہت تڑپ تھی ۲۰۱۴ء میں اُن کی یہ تمنا بھی پوری ہوگئی۔ سخت علالت کی حالت میں چھوٹے بھائی حافظ وقاری محمد علیم برکاتی سلمہ کو لے کر حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ انہیں سانس کا مرض تھا مگر اُس کے باوجود تمام ارکان خوش اسلوبی اور محنت و مشقت کے ساتھ انجام دیئے مگر ارکان حج کی ادائیگی کے بعد واپسی کے وقت آخر کار رحمت

ہار ہی گئے اور مکۃ المکرّمہ میں سخت بیمار ہو گئے۔آکسیجن اور گیس ماسک لگا کر واپس ہندوستان آنا پڑا۔ اس کے بعد سے آپ کی طبیعت روز بروز بگڑتی ہی چلی گئی۔آخر کار مورخہ ۴/رجب المرجب ۱۴۳۸ھ/۲/اپریل بروز اتوار تقریباً ۱۲/بجے رات آپ نے زندگی سے ناتا توڑ ہی لیا۔اُن کی آخری خواہش یہی تھی کہ میری نماز جنازہ یہ راقم الحروف پڑھائے۔دوسرے دن ۳/اپریل بروز پیر بازار والی مسجد (قصبہ بہیڑی ضلع بریلی) کے سامنے اُن کی نماز جنازہ ہوئی۔ نماز جنازہ میں عوام کے ساتھ کثیر تعداد علماء، حفاظ، قُرّا اور ائمۂ مُساجد کی تھی۔ یہ ہمارے والد صاحب کی دینی اور مذہبی امور خیر کی برکت تھی کہ آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ نماز جنازہ میں سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانتوں کے امین، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی بنفس نفیس جلوس جنازہ میں بھی شریک ہوئے۔کاندھا بھی دیااور پھر نماز جنازہ میں بھی شرکت فرمائی۔ دعائے مغفرت کرنے کے ساتھ مجھے اور میرے تمام بھائیوں کو صبر کی تلقین فرمائی۔ ہم بھائیوں اور اہل خانہ اور جملہ پسماندگان پر یہ اعلیٰ حضرت کا فیضانِ کرم بھی ہے اور حضور صاحب سجادہ کا احسان عظیم بھی۔نماز جنازہ کے بعد میں اور میرے چھوٹے بھائی حافظ و قاری محمد علیم برکاتی قبر میں اترے۔ اوپر سے ہمارے دیگر برادران نے والد صاحب کی نعش کو ہمارے ہاتھوں میں دیا اور ہم دونوں نے انہیں ہمیشہ کے لیے اُن کے آخری گھر میں ’’فی امان للہ، فی امان الرسول، فی امان الشیخ ‘‘ کہہ کر اور دیگر ماثورہ دعائیں پڑھ کر آرام سے لٹا دیا۔سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے اُن کے کفن پر ہم نے عہد نامہ تو لکھ ہی دیا تھا مگر قبر میں بھی سرہانے کی طرف قبلہ رو عہد نامہ اور شجرہ آویزاں کر دیا۔ مٹی دینے کے بعد قبر پر اذان پڑھی گئی۔راقم الحروف نے دعا کی۔علماء و حفاظ کی کثرت تھی سب نے مل کر قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کا وِرد کیا۔خاص کر سورۂ بقرہ کے ابتدائی اور آخری رکوع بھی پڑھے گئے اور بعد میں پوری سورۂ بقرہ بھی پڑھی گئی۔

جامعہ رضویہ منظر اسلام کے صدر المدرسین حضرت علامہ مفتی محمد عاقل صاحب، حضرت علامہ مفتی معین الدین خاں صاحب، حضرت علامہ سید شاکر علی برکاتی صاحب، حضرت علامہ محمد اختر صاحب، حضرت مفتی جمیل خاں صاحب، حضرت مولانا قاری طیب صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب، مولانا محمد قمر رضا صاحب، مفتی شمشاد احمد صاحب، سید انوار السادات عرف زلفی میاں صاحب، ماسٹر زبیر رضا خاں صاحب، ماسٹر عرفان صاحب، ماسٹر کمال صاحب کے ساتھ منظر اسلام کے کئی طلبہ بھی شریک ہوئے جن میں مولانا ذیشان رضا، مولانا ریاض الحسن، مولانا ناظر حسین، مولانا مفتی محمد شاکر وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ بہیڑی کے مولانا محمد اسرائیل صاحب، مولانا محمد کاشف رضا، مولانا محمد نعیم سعدی صاحب، حافظ محمد سرفراز صاحب، حافظ محمد علی صاحب، حافظ محمد عاقب، حافظ محمد وسیم رضا، مولانا عبد الرحمٰن صاحب، مولانا اقرار صاحب، حافظ نعیم صاحب، قاری مقرب صاحب جیسے کثیر تعداد میں علماء و حفاظ و ائمۂ مساجد شریک رہے۔

تعزیتی پیغامات و مجالس ایصال ثواب

چونکہ والد صاحب کے انتقال کی خبر واٹس ایپ اور سوشل

میڈیا پر وائرل ہو چکی تھی اس لیے رات ہی سے برابر تعزیتی پیغام آنا شروع ہو گئے تھے۔ کثیر تعداد میں تعزیتی پیغامات موصول ہونے اور ملک و بیرون ملک کے اداروں میں تعزیتی محفلوں اور مجالس ایصال ثواب کی خبر سن کر سر سجدۂ تشکر میں جھکتا ہی چلا گیا کہ اللہ رب العزت نے والد صاحب کو کتنی سعادتیں عطا فرمائیں کہ اہل خانقاہ، مشائخ کرام، علمائے ذوی الاحترام اور طالبان علوم نبویہ جگہ جگہ اُن کے لیے قرآن خوانی کا بھی اہتمام کرا رہے ہیں اور ایصال ثواب کی محفلیں منعقد کر کے ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ فللّٰہ الحمد۔ ملک اور بیرون ملک جن جن حضرات نے ہمارے والد محترم کے لیے ایصال ثواب کیا اور دعائے مغفرت کی ہمارے پاس اُن سب کے شکریہ کے لیے الفاظ تو نہیں البتہ اپنے رب کی بارگاہ میں اِن سب کے لیے یہ دعا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے صدقے ان سب کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

اس سلسلہ میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور خانقاہ رضویہ بریلی شریف کے بزرگوں نے نہایت ہی محبتوں اور شفقتوں کا مظاہرہ فرمایا۔ خانقاہ برکاتیہ نوریہ کے سجادہ نشین رفیق ملت حضرت سید سرکار نجیب حیدر قادری برکاتی مدظلہ النورانی نے بذریعہ فون تعزیت اور دعائے مغفرت کے ساتھ سرکاران مارہرہ مطہرہ اور اعلیٰ حضرت کی سرکاروں کے آستانے پر والد محترم کے ایصال ثواب کی محفل منعقد فرما کر اُن کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ یہ ایک ایسا احسان ہے کہ جس کا تا زندگی ہم شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ شہزادۂ حضور سرکار احسن العلماء، برادر اوسط سرکار امین ملت، حضرت سید سرکار اشرف میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی مدظلہ النورانی چیف انکم ٹیکس کمشنر کلکتہ نے تو شفقت براصاغر کی مثال قائم فرماتے ہوئے ایک تعزیتی پیغام ارسال فرمایا جو مندرجہ ذیل ہے:

سلام۔ بہت افسوس! اللہ مغفرت فرمائے اور
آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔
ماں باپ کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ یہ زندگی بھر کا
غم ہے لیکن صبر ضروری ہے میرے عزیز!
......اشرف

ولی عہد خانقاہ برکاتیہ شہزادۂ امین ملت حضرت سید امان میاں صاحب قبلہ نے بذریعہ فون اظہار تعزیت فرمایا، دعائے مغفرت فرمائی، صبر کی تلقین بھی کی۔

سیدی سرکار امین ملت کے دوسرے شہزادے حضرت سید عثمان میاں قادری برکاتی مدظلہ النورانی نے بھی تعزیتی پیغام ارسال فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ
کے والد صاحب کی مغفرت فرمائے، اُن
کے درجات بلند فرمائے اور آپ سب کو صبر
جمیل عطا فرمائے۔ ابّا حضور (سرکار امین
ملت) نے بھی آپ کے والد صاحب کے
لیے دعائے مغفرت کی ہے۔ فقط
......سید عثمان برکاتی

جامعہ البرکات کے جوائنٹ سکریٹری عالیجناب محترم احمد مجتبیٰ صدیقی صاحب نے اپنے تعزیتی پیغام میں تحریر فرمایا:

السلام علیکم۔ آپ کا میسج ابھی دیکھا اللہ تعالیٰ
مغفرت فرمائے اور آپ تمام اہل خاندان کو

صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔مرحوم کو جنت
الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین

خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشین حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد احسن رضا قادری مدظلہ النورانی نے تدفین کے دوسرے دن بنفس نفیس تشریف لا کر اظہار تعزیت فرمایا اور گھر ہی پر فاتحہ خوانی کی ، فاتحہ خوانی کے بعد ایصال ثواب اور دعائے مغفرت فرما کر ہمارے گھر کے بچے ، بچیوں اور محلے کی بہت سی خواتین کو باپردہ مرید بھی فرمایا۔

خانقاہ خوشتریہ رضویہ ماریشس کے سجادہ نشین حضرت علامہ مولانا محمد مسعود اظہر صدیقی مدظلہ النورانی نے اپنے تعزیتی پیغام میں تحریر فرمایا کہ:

محترم مفتی محمد سلیم صاحب سلام ورحمت۔اس
وقت میں افریقہ کی سرزمین پر ہوں ، مولانا محمد
قمر رضا صاحب کی زبانی آپ کے والد
صاحب کے انتقال پُر ملال کی خبر سننے کو ملی ،
فوراً کلمۂ ترجیع پڑھا۔اُن کے لیے دعائے
مغفرت بھی کی اور یہاں خانقاہ خوشتریہ میں
قرآن خوانی کی محفل بھی منعقد کرائی۔پورٹ
لوئس میں بھی مولانا قمر رضا صاحب نے
ایصال ثواب کی محفل کی اور قرآن خوانی
کرائی۔فقط

......شریک غم مسعود اظہر صدیقی

ولی عہد خانقاہ خوشتریہ حضرت مولانا سعد میاں نے انگلینڈ کی سرزمین سے اپنے تعزیتی پیغام میں تحریر فرمایا کہ:

محترم رفیق گرامی مفتی سلیم صاحب سلام
مسنون۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب
کے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔اُن کی قبر پر
انوار ورحمت کی بارشیں نازل فرمائے۔آپ
تمام بھائی بہنوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

......محمد سعد خوشتر صدیقی
بولٹن انگلینڈ

مفتی اعظم ماریشس سابق امام وخطیب جامع مسجد ماریشس حضرت علامہ مفتی شمیم اشرف ازہری مدظلہ النورانی نے اپنے تعزیت نامے میں تحریر فرمایا کہ:

السلام علیکم۔افسوس ناک خبر ملی۔مولیٰ تعالیٰ
والد صاحب مرحوم کو غریق رحمت فرمائے ، ان
کی مغفرت فرمائے ، آپ اور اہل خاندان کو
صبر جمیل اور اس پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

آپ کے غم میں شریک
محمد شمیم اشرف ، ماریشس

خلیفۂ شیخ الاسلام ، داماد صدر العلماء میرٹھی حضرت علامہ مولانا محمد ایوب اشرفی شمسی ، خطیب وامام محدث اعظم شاخ بولٹن انگلینڈ نے اپنے تعزیت نامہ میں یوں دعائے مغفرت فرمائی کہ:

انا للہ و انا الیہ راجعون۔دعا ہے اللہ
تعالیٰ ان کی بخشش و مغفرت فرمائے اور
جنات عدن کی بہاریں عطا فرمائے اور آپ
سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین والسلام۔

پروفیسر افتخار الحسن رضوی صاحب ریاض یونیورسٹی سعودی عرب نے اپنے تعزیتی پیغام میں ارشاد فرمایا کہ:

سلام ورحمت! انا للہ و انا الیہ
راجعون۔ جس وقت آپ کے والد مرحوم
کے انتقال کی خبر ملی یہ فقیر رضوی سرکار مدینہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ فضل وکرم میں حاضر تھا۔ خاص مواجہہ شریف میں وہیں آقا کی بارگاہ میں آپ کے والد مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا اور احباب کے ساتھ مل کر دعائے مغفرت بھی کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین

افتخار الحسن رضوی

مقیم حال مدینۂ منورہ

نبیرۂ سرکار مفتی اعظم ہند حضرت علامہ سراج رضا خاں مدظلہ النورانی نے نہایت مشفقانہ انداز میں میسیج اور پھر فون کے ذریعہ اظہار تعزیت بھی فرمایا اور دعائے مغفرت بھی کی۔ صبر کی تلقین بھی فرمائی۔ تحریر فرماتے ہیں:

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ کریم اپنے حبیب کے صدقے میں اُن کے کبائر و صغائر گناہ کو معاف فرمائے، اُن کی مغفرت فرمائے، تاحد نظر قبر کو کشادہ فرمائے، قبر میں نور کی بارشیں فرمائے۔ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

......سراج رضا خاں نوری

قاضی شرع ضلع رامپور حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی میاں حسنی مدظلہ النورانی نے یہ تعزیت نامہ ارسال فرمایا کہ:

للہ ما اعطی ولہ ما اخذ ولکل اجل مسمی۔ اللہ ہی کا وہ ہے جو اُس نے دیا۔ اللہ ہی کا وہ ہے جو اُس نے لیا اور ہر ایک کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ ؎

اندھیرا گھر اکیلی جاں دم گھٹتا دل اکتاتا
خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے
ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

مولیٰ تعالیٰ مرحوم کے صغائر و کبائر کو معاف فرمائے۔ اُن کے تمام حسنات کو قبول فرمائے۔ عذاب قبر، عذاب حشر، عذاب نار سے محفوظ و مامون رکھے اور اپنے حبیب پاک علیہ السلام کی شفاعت عظمیٰ سے مالا مال کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

الصبر عند الصدمة الاولیٰ۔ صبر پہلے مرحلے کا ہے بعد میں دنیا کو صبر آجاتا ہے۔

......سید شاہد علی حسنی جمالی

بہت سے تعزیتی پیغامات ہیں۔ پاکستان سے محترم میثم عباس قادری جیسے بہت سے احباب نے اظہار تعزیت فرمایا۔ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ یہ سب غوث اعظم کا صدقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے والد محترم کے تئیں ایسی عظیم شخصیتوں خاص کر علماء و مشائخ کے دل میں محبت جاگزیں فرمائی کہ مقدس ومتبرک مقامات پر بھی اُن کے لیے ایصال ثواب کیا گیا۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان تمام نیک بندوں کی دعاؤں کو قبول فرمائے اور ہمارے والد محترم کی مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆

بدایوں شریف میں ۹/ویں عرس مظہر العلماء علیہ الرحمہ کے موقع پر فیضان قرآن کانفرنس وجشن دستار حفظ

از:-شہزادۂ مظہر العلماء مولانا منظر حسن نوری، بانی وناظم مدرسہ برکاتیہ رضویہ بدایوں شریف

بدایوں شریف ۲۲/مارچ بروز بدھ بعد نماز فجر قرآن خوانی، بعد نماز عصر جلوس چادر شریف، بعد نماز مغرب مظہر العلماء علیہ الرحمہ کے پیر ومرشد تاج العلماء سراج العرفاء حضرت علامہ مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ کی ۶۳/ویں فاتحۂ قل کی محفل کا انعقاد ہوا جس میں نعت ومنقبت کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ٹھیک ۸:۵۵/بجے قل شریف ہوا۔ بعد نماز عشاء مدرسہ برکاتیہ رضویہ کا سالانہ اجلاس فیضان قرآن کانفرنس وجشن دستار حفظ کا قادری چوک میں انعقاد ہوا۔جس کی سرپرستی کے لئے گل گلزار رضویت نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادہ حضور سبحانی میاں حضرت علامہ محمد احسن رضا خاں صاحب قادری، سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف تشریف لائے۔جس کی صدارت استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب پرنسپل مدرسہ جامعہ رضویہ نوریہ باقر گنج بریلی شریف نے فرمائی۔جس کی نظامت نقیب اہل سنت حضرت مولانا قاری ناظم رضا بریلوی نے فرمائی۔کانفرس میں خصوصی خطاب حضرت علامہ مفتی عمران حنفی مرادآبادی خلیفۂ حضور مظہر العلماء علیہ الرحمہ وحضرت علامہ زاہد رضا بریلوی وحضرت علامہ شان عالم سید پوری کا رہا جس میں انہوں نے قرآن کے فیضان اور اسلام کی حقانیت اور بزرگان دین کے فیض عام کے بارے میں بتایا۔درمیان کانفرنس حضور صاحب سجادہ کے مبارک ہاتھوں سے مدرسہ برکاتیہ رضویہ کے فارغین حفاظ کے سروں پر دستار حفظ سجائی گئی اور اس عظیم کانفرنس میں شریک شعرائے کرام تسلیم رضا بریلوی، ہمدم فیضی، قاری نوشاد عالم فرخ آبادی وغیرہ نے بہترین کلام پیش کئے اور بعد صلاۃ وسلام حضور صاحب سجادہ کی دعا پر اس کانفرنس کا بخوبی اختتام ہوا۔اس کے بعد ۲۳/مارچ بروز بدھ صبح ۹/بجے حضور مظہر العلماء علیہ الرحمہ خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند کے ۹/ویں عرس کے قل کی محفل کا آغاز کلام اللہ کی تلاوت کے بعد نعتیہ مشاعرے کے ساتھ کیا گیا جس میں بدایوں شریف کے معروف ومشہور شعراء اور بریلی شریف سے تشریف لائے حضرت فاروق مدناپوری وغیرہ نے حضرت مولانا الحاج محمد عفران میاں صاحب سجادہ خانقاہ سلیمانیہ موضع خیر پور ضلع شاہجہاں پور کی صدارت میں بہترین کلام پیش کئے۔اس کے بعد حضرت علامہ ڈاکٹر یاسین علی عثمانی بدایونی وحضرت علامہ ممتاز احمد صاحب رضوی نے خطاب فرمایا انہوں نے صاحب عرس کی زندگی پر روشنی ڈالی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی اور پھر آخر میں صلاۃ وسلام کے بعد راقم الحروف (منظر حسن نوری، خلیفۂ حضور سبحانی میاں صاحب سجادہ خانقاہ مظہریہ) نے ملک وملت کی سلامتی کی دعا کی اور تمام شرکاء ومنتظمین کا شکریہ ادا کیا۔

اتہاماتِ تنزیل الصدیقی الحسینی پر ایک نظر

علامہ پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری

نسبتِ خلافت، عقائد و نظریات اور اہلِ علم سے باہمی تعلقات کے تناظر میں

تحریر:-محمد احمد ترازی (کراچی)

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ☆ ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

''الخطاب'' دراصل پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کی ایک یادگار تاریخی تقریر ہے، جو آپ نے ۲۹، دسمبر ۱۹۱۴ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھائیسویں (۲۸) اجلاس منعقدہ راولپنڈی کے ساتویں سیشن میں کی۔ یہ تقریر پہلی بار ۱۹۱۵ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ کے زیر انتظام کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ اکتوبر ۲۰۱۶ء میں سیّد صاحب کے محبّ جناب ظہورالدین امرتسری صاحب نے ادارہ پاکستان شناسی لاہور کے تحت اِس کی طبع جدید کا اہتمام کیا اور کتاب میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام، اغراض ومقاصد، منعقدہ اجلاس میں منظور ہونے والی قراردادیں و عکسی نوادرات کے ساتھ ''حیاتِ مولانا سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں'' از۔ حکیم محمد خلیل احمد القادری الجائسی سابق ریڈر طبیہ کالج علی گڑھ اور خود ظہورالدین صاحب کے اپنے انتخاب ''مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح''، و''پروفیسر سلیمان اشرف اکابرینِ ملت کی نظر میں'' جیسی مفید و معلوماتی تحریروں کو جگہ دی۔ ساتھ ہی اُنہوں نے ''سخن ہائے گفتنی'' کے عنوان سے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کا ایک قابلِ اعتراض مضمون بھی شاملِ کتاب کیا۔ جس میں سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کی ذات و کردار اور نسبتِ خلافتِ محدث بریلوی کے حوالے سے بہت سی خلاف واقعہ اور غلط باتیں منسوب کر کے قاری کو ذہنی وفکری خلفشار میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کاش! سیّد صاحب کے محبّ اور'' ادارۂ پاکستان شناسی بیادِ مولانا سیّد سلیمان اشرف'' کے بانی ظہورالدین امرتسری صاحب مضمون کو شاملِ کتاب کرنے سے پہلے اُس کا بغور مطالعہ فرما کر اثرات ومضمرات کا جائزہ لے لیتے تو اُنہیں اندازہ ہوجاتا کہ صاحبِ مضمون نے ایک تیر سے دو شکار کرتے ہوئے کس خوبصورتی سے سیّد سلیمان اشرف صاحب کی شخصیت اور کردار وعمل کو ہی متنازعہ نہیں بنایا بلکہ خود ظہورالدین امرتسری کو بھی وضاحتی کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ خیر اپنی ذات سے منسوب سلامت روی، وسیع المشربی اور صلح کلیت کا بہتر جواب تو ظہورالدین صاحب ہی دے سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے کردار وعمل کا معاملہ ہے، تو بہت ضروری تھا کہ اِس تاریخی خیانت اور علمی بددیانتی کا جائزہ لیا جائے اور صاحب مضمون کی خلافِ حقیقت اور گمراہ کن باتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے تاریخی حقائق کی روشنی میں اُن کی درست تصویر عوام الناس کے سامنے پیش کی جائے۔ چنانچہ اِس جائزے سے قبل صاحبِ مضمون کا ایک مختصر سا تعارف پیشِ نظر کیا جاتا ہے تاکہ اصل صورتحال اور حقائق کے ادراک میں آسانی رہے۔

صاحبِ مضمون کا مختصر تعارف: صاحبِ مضمون کا اصل نام محمد تنزیل ہے، مگر محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو پیدا ہونے والے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، غیر مقلد محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی (۱۹۹۵ء۔۱۹۲۱ء) کے صاحبزادے ہیں۔ خود بھی مسلکاً اہلِ حدیث (غیر مقلد) مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ موصوف کراچی سے شائع ہونے والے مجلّہ

''الواقعہ'' کے مدیر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔
''سخن ہائے گفتنی'' کے سنگین الزامات:-اِس مختصر تعارف کے بعد محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے مضمون ''سخن ہائے گفتنی'' کی طرف آتے ہیں جس میں وہ سیّد صاحب کی نسبتِ خلافتِ محدثِ بریلوی کی نفی کرتے ہوئے اُن پر صلح کلی اور وسیع المشربی ہونے کا سنگین الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اِس غلط العام خیال کی تردید ضروری ہے کہ مولانا سلیمان اشرف، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تلمیذ وخلیفہ تھے۔ بعض اہل علم نے بربنائے عقیدت مولانا سلیمان اشرف کو فاضل بریلوی کے اَجلہ خلفاء میں محسوب کیا ہے۔ اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ مولانا سلیمان کو فاضل بریلوی سے شدید عقیدت تھی مگر یہ تعلق عقیدت وارادت تلمذ وخلافت کی نسبت کے بغیر تھا۔ خود مولانا بریلوی نے ''ذکر احباب و دعاء احباب'' کے عنوان سے اپنے خلفاء کے ناموں کو منظوم کیا ہے جس میں اپنے چودہ (۱۴) اکابر خلفا کے نام درج کیے ہیں، اُن میں مولانا سلیمان کا نام شامل نہیں۔ اسی طرح جب مختلف حضرات نے خود کو مولانا بریلوی کا تلمیذ رشید وخلیفہ ارشد باور کرانا شروع کیا، تو مولانا بریلوی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اِن جعلی خلفاؤں سے اظہار برأت کی جائے، لہٰذا اُنہوں نے ضروری اعلان کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے پچاس (۵۰) خلفاء کے نام درج کیے، اُن میں بھی مولانا سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں۔ اگر مولانا سلیمان فاضل بریلوی کے خلیفہ ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ انہیں نظر انداز کر دیا جاتا۔؟ مولانا نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی مرکزی درسگاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس وتدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر اُن کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے انہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا، حتیٰ کہ مولانا کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب ''حیات و کارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری'' میں مولانا بریلوی سے اُن کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر اُن سے نسبت تلمذ و خلافت کا دعویٰ کوئی نہیں کیا۔
مولانا کی وسیع المشربی نے انہیں ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ اُن کے مراسم اپنے نقطۂ نظر کے مخالف علما و اہل علم کے ساتھ خوشگوار تھے۔ مولانا کا دینی وسیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے باوجود انہوں نے دوسرے مکاتیب فکر کے اہل علم کے ساتھ احترام کا رشتہ کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا...... مولانا اپنے نقطۂ نظر کے اظہار میں بڑے جری و بیباک تھے۔ (اور) کسی مخالفت کی پروانہ کرتے تھے۔''(۱)

نسبتِ تلمذ وخلافتِ محدث بریلوی:-مندرجہ بالا اقتباس سے قاری کے ذہن میں سب سے پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف، محدثِ بریلوی کے تلمیذ وخلیفہ نہیں ہیں۔ لوگوں نے اُنہیں عقیدت کی بناء پر منسوب کر دیا ہے۔ اِس بات کی دلیل میں موصوف فرماتے ہیں کہ خود محدث بریلوی نے اپنے جن خلفاء کا تذکرہ کیا ہے اُس میں اُن کا نام شامل نہیں ہے۔ جبکہ خود سیّد صاحب

کے شاگرد اور معاصرین بھی اِس بات کا کہیں اظہار کرتے نظر نہیں آتے۔اور تو اور مولانا محمد علی اعظم خاں قادری کی سوانحی کتاب میں بھی اُن کی نسبت تلمذ وخلافت کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے۔

چنانچہ اِس حوالے سے پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ موصوف نے نسبتِ تلمذ اور خلافت کو ایک جگہ گڈ مڈ کر کے دونوں کو غلط العام قرار دیا ہے۔سمجھ نہیں آتا کہ وہ نسبتِ تلمذ کے انکاری ہیں یا خلافت کے۔اگر دونوں کی تردید مقصود ہے تو دلائل بھی دونوں کے پیش کرنے چاہیے تھے۔مگر جناب نے صرف ایک یعنی نفی خلافت کے دلائل پیش کیے،نفی تلمذ سے صرف نظر کیا۔جبکہ تحقیق کی اخلاقیات اور دیانت داری کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو بھی نیا خیال،نکتہ یا واقعہ کہیں سے یا کسی سے اخذ کیا جائے یا جس ماخذ سے استفادہ کیا جائے،اُس کا مکمل حوالہ دیا جاتا تا کہ صاحبِ تحریر کے مطالعے کی وسعت،جستجو کی نوعیت اور دیانتداری کا ثبوت ملتا۔مگر موصوف نے اِس سے عمداً یا سہواً گریز کیا۔جو اصولِ تحقیق کی روشنی میں ''دعویٰ بے سند'' نہیں تو اور کیا ہے؟

اِس مقام پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صاحب مضمون نے دانستہ یا نادانستہ تلمذ اور خلافت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔جو کہ ایک سنگین علمی لغزش ہے۔اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف محدثِ بریلوی کے شاگرد نہیں ہیں،تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی کب کیا گیا کہ سیّد سلیمان اشرف محدث ِبریلوی کے تلمیذ ہیں؟ کیونکہ ہماری معرفت کی حد تک کہیں بھی کسی معتبر حوالے میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ سیّد سلیمان اشرف کو محدثِ بریلوی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔چنانچہ موصوف کی شرف تلمذ والی بات محض ''کرشمہ قیاس آرائی'' ہی قرار دی جاسکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ محدثِ بریلوی نے ''ذکر احباب ودعائے احباب'' میں اپنے جن چودہ (۱۴) خلفاء کا منظوم ذکر کیا ہے،اُس میں سید محمد سلیمان اشرف کا نام نہیں ہے۔تو عرض ہے کہ خود محدثِ بریلوی نے ''استمداد'' کے صفحہ نمبر ۷۰ پر پہلے ہی یہ صراحت فرمادی ہے کہ شعر کی تنگِ دامانی کی وجہ سے اسمائے احباب میں چھوٹے چھوٹے ناموں پر اقتصار کیا گیا ہے۔اِس لیے نظم یا جاری کردہ فہرست میں سیّد سلیمان اشرف کا نام درج نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُنہیں خلافت حاصل نہیں تھی۔

دوسرے یہ کہ ''الاستمداد'' ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۸ء میں لکھی گئی۔محدثِ بریلوی اس کے بعد بھی تقریباً تین سال باحیات رہے۔اور اُن کا انتقال ۲۵،صفر المظفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸،اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔کیا اِس عرصے میں اُن کے خلفاء کی تعداد میں اضافے کا امکان نہیں۔؟ یقیناً ہے۔اور اِس کا ثبوت اشتہار ''ضروری اعلان'' میں درج پچاس (۵۰) خلفاء کے نام ہیں۔

خیال رہے کہ ''ضروری اعلان'' ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ کو ماہنامہ ''الرضا'' بریلی میں شائع ہوا۔(۲)عیسوی کلینڈر کے اعتبار سے یہ دسمبر ۱۹۱۹ء کا سال ہے۔جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ''ضروری اعلان'' کا اشتہار ''استمداد'' کے بعد شائع ہوا۔اور اِس اشتہار کی اشاعت کے بعد بھی محدث بریلوی کم وبیش دوسال حیات رہے۔چنانچہ منظوم نظم ''استمداد'' اور ''ضروری اعلان'' کے اشتہار سے کسی طور بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اِس اعلان کے بعد محدث بریلوی نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی۔

پھر ضروری اعلان کے حوالے سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اِس اعلان کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جب کچھ افراد نے اپنے آپ کو محدثِ بریلوی کا خلیفہ بنا کر عوام الناس کے اعتماد کو مجروح کرنے کی کوشش کی تو اُس وقت جتنے خلفاء کے نام آپ کے ذہن میں آئے،آپ نے اُن کی ایک فہرست اور ''ضروری اعلان'' کے نام سے اشتہار میں اُن خلفاء کا مختصر تذکرہ کر کے اِس بات کی نشاندہی کردی کہ میرے خلفاء کون کون ہیں۔''آخر میں یہ بھی لکھا کہ جن کے نام یہاں لکھنے سے رہ گئے ہیں اُن کو آئندہ فہرست میں شامل کرلیا جائے گا۔''(۳)

لیکن تنزیل الصدیقی نے اِس حقیقت کو دانستہ نظر انداز

کر کے علمی خیانت کا ثبوت دیا اور سیاق و سباق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ چونکہ ''ضروری اعلان'' میں سیّد سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں، اِس لیے وہ محدث بریلوی کے خلیفہ نہیں ہیں۔ حالانکہ محدث بریلوی کی واضح صراحت موجود ہے کہ یہ فہرست ابھی نامکمل ہے اور بہت سے خلفاء کے نام رہ گئے ہیں۔ جبکہ خود محدثِ بریلوی نے اپنی دی ہوئی فہرست میں حرمین شریفین کے خلفاء کا تذکرہ نہیں کیا، جن کی تعداد کم و بیش اٹھائیس (۲۸) یا پینتیس (۳۵) کے قریب ہے۔

چنانچہ اِس تناظر میں یہ دونوں فہرستیں حتمی نہیں کہی جاسکتیں۔ اِس لیے یہ کہنا کہ محدث بریلوی کے صرف چودہ (۱۴) یا پچاس (۵۰) خلفاء تھے، یا اِن چودہ (۱۴) یا پچاس (۵۰) خلفاء میں سیّد سلیمان اشرف کا نام درج نہیں، اِس لیے وہ محدث بریلوی کے خلفاء میں شامل نہیں ہیں، قطعاً غلط قرار پاتا ہے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری ''تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں لکھتے ہیں ''اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی صحیح تعداد کا تعین تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن قرین قیاس سے یہ تعداد سو (۱۰۰) سے اوپر تجاوز کرتی ہے......ہم یہ تعداد اسّی (۸۰) تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے...... پھر بھی تعداد کا صحیح تعین ممکن نہیں ہے۔'' (۴)

کیونکہ محدثِ بریلوی کے خلفاء نہ صرف برصغیر پاک و ہند سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ عرب و افریقہ کے بلاد میں بھی اُن کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری اِسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳ / پر لکھتے ہیں کہ ''اِس تذکرہ میں ۸۰، خلفاء کا ذکر کیا جارہا ہے جن کے حالات و افکار و خدمات کا سراغ لگایا جاسکا، مگر ۲۵۔۳۰ سے زیادہ نام علم میں آئے ہیں کہ اُن کو اعلیٰ حضرت سے خلافت حاصل رہی، مگر اُن کے حالات یا تو قطعی میسر نہ ہوسکے اور اگر حالات میسر ہوئے بھی تو اُن کی خلافت پر شواہد زیادہ حاصل نہ ہوسکے، جس کی وجہ سے کئی اہم اور معروف شخصیات کو اِن خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکا۔'' صفحہ ۱۴، پر مزید لکھتے ہیں کہ ''تذکرہ میں اِس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ ماخذ و مراجع مستند ہوں۔

چنانچہ جتنے بھی معروف و مستند تذکرے حاصل کیے جاسکتے تھے، اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔'' اِس احتیاط اور اہتمام کے بعد مرتبین محمد صادق قصوری اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے سیّد سلیمان اشرف کا تذکرہ شاملِ کتاب کیا ہے، کیا یہ اِس بات کا ثبوت نہیں کہ سیّد صاحب کی خلافت پر اُنہیں اطمینان بخش شواہد حاصل ہوئے ہیں۔

اسی طرح ''خلفائے محدث بریلوی'' از۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد میں ''لمعاتِ خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے عنوان سے مقدمہ میں محمد عبدالستار طاہر لکھتے ہیں کہ ''حرمین شریفین کے علاوہ پاک و ہند میں بھی فاضل بریلوی کے بکثرت خلفاء ہیں۔'' آگے اسمائے گرامی کا ذکر کرتے ہوئے ''پروفیسر سیّد سلیمان اشرف بہاری کو محدثِ بریلوی کے خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔'' (۵)

جبکہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب بھی رئیس المتکلّمین مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کو محدثِ بریلوی کے خلفاء میں شامل فرماتے ہیں۔ (۶)

اِس کے علاوہ ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' از۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' از۔ مولانا ظفرالدین بہاری ''امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں'' از۔ یٰسین اختر مصباحی ''امام احمد رضا اور اصلاحِ معاشرہ'' از۔ مولانا محمد قمرالزماں رضوی مصباحی ''سوانح اعلیٰ حضرت'' از۔ مولانا بدرالدین احمد رضوی اور ''سیرت امام احمد رضا'' از۔ مولانا اختر شاہجہانپوری وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثِ بریلوی کے خلفاء کی تعداد سو (۱۰۰) سے زائد ہے۔ جن میں سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب بھی شامل ہیں۔ اور بھی کئی مؤلفین نے سیّد محمد سلیمان اشرف کو محدثِ بریلوی کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔ جیسے ''تذکرہ علمائے اہلسنّت'' از۔ مولانا محمود احمد قادری، ''باغی ہندوستان'' مرتبہ؛ عبدالشاہد خاں شروانی، ''تحریک پاکستان میں خلفائے امام احمد رضا خاں کا کردار'' پی ایچ ڈی مقالہ

از۔ ڈاکٹرحسن امام، اور ''فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد'' از۔ مولانا عبدالغفار اعظمی وغیرہ میں بھی سیّد محمد سلیمان اشرف کو محدث بریلوی کے خلفاء میں شمار کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ فتاویٰ رضویہ کی جلدوں میں محدث بریلوی کے نام پروفیسر سیّد سلیمان اشرف صاحب کے کئی خطوط استفتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ لیکن جلد ہشتم، صفحہ ۱۰۸، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور، جون ۱۹۹۵ء، میں آرائش مسجد سے متعلق ایک استفتاء پر موجود یہ عبارت '' مسئلہ ۱۱۵۹، از۔ علی گڑھ کالج مسئولہ حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات، خلیفہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ۱۳۳۲ھ۔'' بھی آپ کی محدث بریلوی سے نسبتِ خلافت کو ظاہر کرتی ہے۔

اِس مقام پر یہ تاریخی حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں مناظرہ بریلی کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد جیسے طلیق اللسان اور زبان آوری پر ناز رکھنے والے خطیب کے مقابلے پر پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف کا انتخاب کیا گیا۔ حالانکہ اُس وقت جماعت رضائے مصطفےٰ کے نامزد وفد میں مولانا حامد رضا خاں، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا ظفرالدین بہاری، مولانا برہان الحق جبلپوری اور مولانا حسنین رضا خاں جیسے محدث بریلوی کے اَجلہ خلفاء شامل تھے۔ مگر علمائے بریلی کے دینی و ملی موقف کی ترجمانی کا فریضہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کو سونپا گیا۔ سیّد صاحب کی ذات پر یہ اعتماد و بھروسہ اُن کی دینی و فکری اصابت و استقامت اور حق گوئی و بیباکی کا ہی مظہر نہیں تھا، بلکہ محدث بریلوی کی انتہائی قربت و محبت اور نسبتِ خلافت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اِس کانفرنس میں آپ نے اِس خوبی سے علمائے حق اہلسنّت و جماعت کا موقف پیش فرمایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر ذمہ داران جمعیت علمائے ہند پر سکتہ طاری ہوگیا اور کسی سے کوئی معقول جواب نہ بن سکا۔ بقول مولانا نعیم الدین مرادآبادی ''میدان سلیمان اشرف کے ہاتھ رہا۔''(۷)

اور مولانا ابوالکلام آزاد کو تاریخی شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اِس تاریخی مناظرے میں آپ کی کامیابی کا بیان کرتے ہوئے ممتاز محقق اور دانشور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ ''مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیت علماء ہند کے زیر اہتمام کانفرنس میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے ہندووٴں کی جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدف تنقید بنایا اور اُنہوں نے ثابت کیا کہ ہندووٴں کے ساتھ ''موالات'' بھی ایسے ہی حرام ہے، جیسے انگریزوں کے ساتھ۔''(۸)

اب رہا یہ اعتراض کہ ''مولانا نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی مرکزی درسگاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس وتدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر اُن کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے اُنہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا۔'' مضمون نگار کی کم علمی پر دلالت کرتا ہے اور درج ذیل حوالوں سے موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہوجاتا ہے۔

سب سے پہلے سیّد سلیمان اشرف صاحب کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی، پنجاب پبلک لائبریری و ڈائریکٹر بیت القرآن لاہور کا حوالہ پیش خدمت ہے، ڈاکٹر عابد احمد علی لکھتے ہیں'' میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مولانا بریلوی عشق رسول ﷺ کے جذبے سے اِس حد تک سرشار تھے کہ اُس کے سامنے وہ ہر چیز کو ہیچ سمجھتے تھے اور میرا یہ تاثر اِس لیے ہے کہ میں نے اپنے استاذ مولانا سلیمان اشرف کو بھی اِسی رنگ میں رنگا ہوا پایا جو کہ مولانا بریلوی کے خلفا میں تھے۔''(۹) یہاں ڈاکٹر عابد احمد علی کے بیان سے ایک بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ محدث بریلوی اور اُن کے خلفاء بشمول پروفیسر سیّد سلیمان اشرف سب اپنے معتقدات اور ایمانیات کے معاملے میں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

سیّد سلیمان اشرف کے ایک اور شاگرد ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں سیّد سلیمان اشرف کو محدث بریلوی کا خلیفہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''راقم الحروف کے استاد مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب تھے۔ وہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلیفہ تھے۔''(۱۰)

یہی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اپنی کتاب ''شخصیات'' مطبوعہ زوار اکیڈمی کراچی، فروری ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۶۲ پر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف ''بریلوی مسلک کے تھے۔''

جناب ڈاکٹر عبدالباری، ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اِس حوالے سے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں ''آپ عارف باللہ مولانا نور محمد اصدقی دہلوی کے مرید بھی اور چشتی نظامی سلسلے سے منسلک تھے۔ آپ صرف ایک عالم دین ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں صاحب دل بزرگ بھی تھے۔ آپ کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے بھی خلافت حاصل تھی۔''(۱۱)

آگے چل کر تنزیل الصدیقی الحسینی سیّد محمد سلیمان اشرف کی محدثِ بریلوی سے خلافت کی نفی کرتے ہوئے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ مولانا کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب ''حیات و کارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری'' میں مولانا بریلوی سے اُن کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر اُن سے نسبت تلمذ و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ تو اِس حوالے سے عرض ہے کہ مولانا محمد علی اعظم خاں قادری، ناظم مدرسہ شرف العلوم غریب نواز کولکاتہ، بھارت کی یہ کتاب رضوی کتاب گھر دہلی سے پہلی بار ۱۹۹۲ء اور دوبارہ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ جس میں فاضل مصنف نے سیّد صاحب کی حیات و خدمات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن اِس کوشش کے دوران اُن سے کئی علمی کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں۔ جیسے صفحہ ۳۳ پر ''ایم، اے، او علی گڑھ کالج میں سیّد صاحب کا تقرر ۱۹۰۲ء میں ہوا۔'' درست نہیں، صحیح ۱۹۰۸ء/۱۹۰۹ء ہے۔ صفحہ ۳۶ پر، ''مولانا موصوف (سیّد سلیمان اشرف) پچاس برس تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منصب درس و تدریس پر فائز رہے۔'' جبکہ یہ مدت تیس برس تھی۔ صفحہ ۵۵ پر، ''علی گڑھ میں سیّد صاحب سے مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی کی ۱۹۲۰ء میں کی جانے والی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے۔'' حالانکہ مفتی صاحب کا ۱۹۱۶ء میں انتقال ہو چکا تھا۔ تصنیفی ترتیب کے لحاظ سے ''الرشاد'' ۱۹۲۰ء میں اور ''النور'' ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔ مگر محمد علی اعظم خاں قادری نے صفحہ ۲۶ پر ''النور'' کو پہلے اور ''ارشاد'' کو بعد میں لیا ہے۔ سیّد محمد سلیمان اشرف کی درست تاریخ وفات ۲۶، اپریل ۱۹۳۹ء ہے، جبکہ صفحہ ۷۷ پر، ''۲۷، اپریل ۱۹۳۹ء درج ہے۔''

اتنی اغلاط کے بعد ''حیات و کارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری'' کو جامع اور مستند سوانح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ در حقیقت یہ کتاب نقشِ اوّل ہے اور نقشِ اوّل میں ترمیم و تنسیخ اور مزید بہتری کی گنجائش خارج از امکان نہیں۔ ایسی صورت میں اگر محمد علی اعظم خاں قادری سیّد محمد سلیمان اشرف کی زندگی کے کسی پہلو کا ذکر کرنے سے چوک جاتے ہیں تو اِس کا یہ مطلب لینا کہ وہ پہلو سیّد صاحب کی زندگی کا حصہ نہیں، قطعاً غلط ہے۔ اگر تنزیل الصدیقی کے اِس اصول کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا کے سوانح نگار نے سیّد صاحب کی محدثِ بریلوی سے نسبتِ خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ تو کتاب میں درج مندرجہ بالا اغلاط کو بھی درست تسلیم کرنا پڑے گا، جو کہ خلاف واقعہ ہوگا۔

لہٰذا تنزیل الصدیقی کا یہ خود ساختہ کلیہ کہ ''جو نہیں لکھا گیا وہ وقوع پزیر ہوا ہی نہیں۔ اور جو لکھا گیا بس وہی درست ہے۔'' نا صرف اُن کی فکری کجی کا آئینہ دار ہے بلکہ اصل تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے کیونکہ اِس اصول کی روشنی میں صرف سیّد صاحب کی سوانح پر ہی نہیں اور بھی سیرت و سوانحی کتب میں درج اور رہ جانے والے واقعات کی صحت پر بھی سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اِس تناظر میں موصوف کی دلیل نہایت ہی کمزور اور خام خیالی کے زمرے میں آتی ہے۔

عقائد و نظریات اور اہلِ علم سے باہمی تعلقات:- جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کی ہر دلعزیزی اور دیگر مکتبہ فکر کے افراد سے مراسم و تعلقات کا معاملہ ہے تو اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ پروفیسر صاحب ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ، ہم عصر علماء اور اہلِ علم و دانش میں یکساں مقبول

تھے۔ ہر طبقۂ فکر کے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ دوسری طرف خود سیّد صاحب بھی اپنے نقطہ نظر کے مخالف اہلِ علم سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اُن کے حلقہ احباب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن سے مسلکاً آپ کا شدید اختلاف تھا۔ جیسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد اور ناظم دینیات مولانا ابوبکر شیث جن کا مسلک وعقیدہ ہی نہیں سیاسی تعلق (مولانا جمعیۃ العلماء کے رکن اور اُس کے اجلاس میں پابندی سے شرکت کرتے تھے) بھی سیّد سلیمان اشرف کے مسلک اور سیاسی نظریے سے قطعاً جدا تھا۔

لیکن اِس کے باوجود وہ علمی اعتبار سے سیّد صاحب کی نظر میں ''بے نظیر آدمی'' تھے اور اُن کے مصاحبین میں شامل تھے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مطابق ''بایں ہمہ مختلف الخیال لوگوں سے بقول اُن کے کھاتہ کھلا ہوا تھا۔ خانقاہِ سلیمانیہ کے مقربین میں محمد اکرام اللہ خاں ندوی، مولانا ابوبکر صاحب، محمد مقتدیٰ خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ بہادر، سیّد زین الدین صاحب تھے۔ باہر والوں میں مولوی ابوالحسن صاحب، سیّد بہاؤالدین صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا۔'' (۱۲)

دوسرے مکاتیبِ فکر کے اہلِ علم کے ساتھ سیّد صاحب کا یہ تعلق ورابطہ محض علمی فضل کی بناء پر تھا۔ مسلک اور عقیدے کی بنیاد پر نہیں۔ چنانچہ اِس کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کے شاگرد حافظ غلام غوث صمدانی لکھتے ہیں۔ ''مولانا صاحب علم کی وقعت خود بھی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اُس کی عزت کرنے کیلئے کہتے تھے۔'' (۱۳) جبکہ آپ کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱۵، صفحہ ۱۳۰ پر یہی بات کچھ اِس انداز سے لکھتے ہیں کہ ''وہ کسی کے علم و دولت کے آگے جھکنا جانتے ہی نہ تھے لیکن اہلِ فضل وکمال کی بڑی قدر کرتے تھے۔''

لہٰذا سیّد سلیمان اشرف صاحب کی اِس وسعتِ قلبی کو علم دوستی اور اہلِ علم کی قدر ومنزلت کا نام دیا جاسکتا ہے جو کہ مسلم یونیورسٹی میں اُن کے منصب کا تقاضہ اور علی گڑھ کے علمی وادبی ماحول کا خاصہ تھا۔ اِس علم دوست رواداری رویئے کو سلامت روی اور وسیع المشربی سے تعبیر کرنا اور اِس بنیاد پر سیّد صاحب کو صلح کلیت کا حامی قرار دینا جہاں صریحاً دروغ گوئی اور علمی بددیانتی پر مبنی ہے، وہیں یہ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے اُن کی ذات وکردار کو متنازعہ بنانے کی بھی ایک ایسی مذموم کوشش ہے، جس کا مقصد شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کو جنم دے کر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کے کردار وعمل کو مشکوک بنانا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اِس مقام پر سیّد محمد سلیمان اشرف کے معتقدات اور اہلِ علم سے باہمی روابط کے ضمن میں بھی کچھ تاریخی حوالوں کا مختصراً جائزہ لیا جائے اور دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کیا منظر نامہ پیش کررہے ہیں۔

سیّد سلیمان ندوی، سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصروں میں سے ہیں۔ سیّد صاحب کے انتقال پر اُنہوں نے ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''معارف'' علی گڑھ میں شائع ہوا۔ اِس مضمون میں سیّد سلیمان ندوی، سیّد صاحب کی سیرت وکردار کو شاندار خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کے مذہبی اعتقادات کو یوں بیان کرتے ہیں ''اُن کے مذہبی خیالات علمائے بریلی کے مطابق تھے اور اُن (محدث بریلوی) کے بڑے مداح تھے۔ پھر بھی اُن کی ملاقات اور میل جول ہر خیال کے لوگوں سے تھا۔'' (۱۴)

نواب مشتاق احمد خاں بھی سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصر ہیں، آپ سیّد صاحب کے مذہبی رجحانات اور معتقدات کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ''مولانا اپنے مذہبی عقائد میں بڑے پکے تھے اور اُن کا اظہار بڑے بیباکانہ طریقے سے کرتے تھے۔ اسلام کے ناموس کی حفاظت کیلئے وہ ہر وقت آمادۂ جہاد رہتے تھے۔'' (۱۵) یعنی

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

صرف یہی نہیں، بلکہ سیّد صاحب اپنے مذہبی معتقدات میں بڑے متصلّب تھے اور جب مذہبی گفتگو ہوتی تو جلال میں آجاتے۔ چنانچہ اُن کے عزیز ترین شاگرد پروفیسر رشید احمد صدیقی

اُن کے اِس جذبہ ایمانی کے بارے میں لکھتے ہیں ''میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہیں پایا......مرعوب ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ کسی کے علم سے نہ کسی کی دولت سے۔ نہ کسی کے اقتدار سے۔ مذہبی عقائد میں کٹر، سلوک میں بے لوث، جو جتنا چھوٹا ہوتا اُس سے اُتنی ہی فروتنی سے ملتے۔ بڑا ہوتا تو اُس سے کہیں اور بڑا ہوکر ملتے۔ علم کا وقار اُن کے دم سے تھا......مرحوم مذہبی معتقدات میں بڑا غلو رکھتے تھے اور اظہار کا موقع آتا تو کھلم کھلا اُن کا اعلان بھی کر دیا کرتے تھے......علم و مذہب پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر جلال میں آجاتے۔ لیکن اِس جلالت کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ علم و مذہب کے بل پر یا اُن کے ناموس کی حفاظت پر آمادہَ جہاد ہیں۔ (مگر اُس میں) تکبر یا تبختر کا شائبہ تک نہ ہوتا۔'' (۱۶)

یہ بھی درست ہے کہ سیّد سلیمان اشرف محدثِ بریلوی سے گہری محبت وعقیدت رکھتے تھے اور اُن کی تعلیمات و معتقدات سے بڑے متاثر تھے۔ چنانچہ سیّد صاحب کی محدثِ بریلوی سے محبت وعقیدت کو بیان کرتے ہوئے اُن کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی لکھتے ہیں ''وہ اپنے معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علومِ عقلیہ میں خوش کلامی اور قوتِ بیان میں حضرت مولانا (محدث بریلوی) کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے۔ غیر اسلامی شعار کی مذمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہم نوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور اُن کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت روا نہ رکھنا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں۔'' (۱۷)

عظیم آباد کی تہذیبی داستان کے مصنف سیّد بدر الدین احمد کہتے ہیں کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب ''اپنے معتقدات کے اظہار میں ذرہ برابر بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ اُن کو اپنے علم اور اپنے ایمان پر کلی اعتماد تھا۔ وہ شک و تشکیک کی منزلوں سے دور ایمان و یقین کی منزلوں میں ہمیشہ رہتے رہے۔ اُن کی ہندوستان کے صاحبانِ علم و فضل سے برابر کی دوستی تھی مگر جہاں اُن علماء میں سے کسی کو لغزش کرتے دیکھتے تو بلا رعایت ٹوک بھی دیتے۔'' (۱۸)

؎ ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ڈاکٹر عبدالباری سیّد سلیمان اشرف صاحب کے حوالے سے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔ جرأت و بیبا کی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔ کسی کے علم وفضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔'' (۱۹)

یہی ڈاکٹر عبدالباری پروفیسر محمد زبیر (ڈائریکٹر پاکستان اسکول آف لائبریرین) کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں ''مولانا اپنے نظریات وخیالات کے اظہار میں شمشیر برہنہ تھے۔ ہر موقع پر بڑی اور چھوٹی شخصیت کے سامنے سچی اور صحیح بات کو بلا تکلف اور برملا کہہ دیتے تھے۔ اُن کی شخصیت میں سنجیدگی، خودداری اور اصول پسندی بڑی انفرادی اور نرالی شان رکھتی تھی۔ اُن کے تجرّ علمی پر جلال و جمال کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جنھیں موصوف کا مزاج شناسا ہی چھوسکتا ہے۔'' (۲۰)

''وہ اپنے دینی مسلک اور دینوی معاملات میں اپنے پسندیدہ اُصولوں سے ذرّہ برابر بھی سر کنارو انہ رکھتے تھے۔'' (۲۱)

جناب پروفیسر طلحہ رضوی برق کے مطابق ''مولانا سیّد سلیمان اشرف حنفی المذہب، سنّی اور اپنے عقائد میں بہت سخت تھے۔ اُنہیں حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے ایک خاص لگاؤ اور گہری عقیدت و محبت تھی۔ (۲۲)

جس کا اندازہ ''حیات صدرالشریعہ'' میں درج اِس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ محدثِ بریلوی کے وصال کے بعد ''چہلم کے موقع پر جب مولانا سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ سے آئے تو فرمانے لگے پہلے جب میں کبھی بریلی آتا تھا اور محلّہ سوداگران کی گلی میں گھستا تھا تو وہیں سے مجھے ایک کیفیت محسوس ہوتی تھی جس کا اثر قلب و دماغ پر

ہوتا اور دل اُس کیفیت سے لطف اندوز ہوتا۔ آج جو اِس گلی میں آیا ہوں تو وہ کیفیت نہیں پاتا ہوں، آج حالت ہی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ خود ہم لوگوں کو آنے جانے میں اِس قسم کا فرق محسوس ہوتا ہے۔ نمازوں میں جو کیفیت ہوا کرتی تھی وہ نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ اعلیٰ حضرت نہیں پڑھاتے تھے مگر چونکہ اُن کی شرکت رہتی تھی اِس وجہ سے وہ بہت پُرکیف ہوتی تھیں اور دور دور سے لوگ اِس کیلئے جاتے تھے جس کا صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ (۲۳)

حقیقت یہ ہے کہ ''آپ (سیّد سلیمان اشرف) سواد اعظم اہلسنّت و جماعت کے بلند پایہ مفکر و مدبّر عالم دین تھے۔ عقائد و معمولات اہلسنّت کے مکمل پابند ہی نہیں بلکہ اُن کے داعی و مبلغ و ترجمان بھی تھے۔ دینی و فکری اصابت واستقامت اور حق گوئی آپ کا طرّہ امتیاز تھا'' (۲۴)

پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف اپنے معتقدات کے اظہار میں پُراعتماد اور حق بات کہنے والے ''مذہباً حنفی اور مشرباً چشتی نظامی'' (۲۵) بزرگ تھے۔ وہ محدثِ بریلوی سے محبت وعقیدت نہیں خلافت واجازت بھی رکھتے تھے۔ اوراُن کا ''دینی وسیاسی مسلک مولانا احمد رضا بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔'' (۲۶) جس پر وہ زندگی بھر سختی کے ساتھ گامزن رہے۔

اِس کے باوجود پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف کا زندگی بھر یہ طرز عمل رہا کہ ہمیشہ اُن کلمات کو دہرانے سے اجتناب برتا جن سے بدمزگی اور مزید پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا۔ سیّد صاحب نے کبھی بھی خود سے کسی بحث و مباحثہ میں الجھنے اور مناظرہ کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ اور اپنے شدید ترین مخالفین اور مناظرے و مباہلے کی دعوت دینے والوں سے بھی یہ کہہ کر حتیٰ الامکان گریز کیا کرتے تھے کہ ''الحمد للہ کہ ساری عمر اِس سے محفوظ رہا ہوں۔ آپ تین سو یا تین ہزار یا تین لاکھ اعتراض رکھتے ہوں، تو بسم اللہ بصد شوق لکھیئے، چھاپیئے، تقسیم کیجئے۔ اپنی ذہانت وذکاوت اپنے تبحر علم وفضل کا خراج تحسین وصول فرمائیے، فقیر سے مخاطب ہونا فضول ہے۔ آئندہ اِس قسم کی تحریروں کا جواب محض سکوت ہوگا۔ ہاں آپ کو اختیارِ کامل ہے کہ فقیر کے سکوت کو جن الفاظ وعبارات میں چاہیں اخبارات میں بھیجیں، جرائد میں شائع فرمائیں، نہ اِس کا گلہ، نہ شکوہ۔'' (۲۷)

چنانچہ ذیل میں حافظ غلام غوث صمدانی صاحب کا بیان کیا ہوا واقعہ اُن کے اِسی طرز عمل کا عکاس کہ آپ نہ صرف خود اپنے مخالفین سے الجھنے اور بحث ومباحثہ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ اپنے محبین کو بھی اِس عمل سے روکتے تھے۔ دیکھئے حافظ صاحب لکھتے ہیں ''مرزا ابراہیم بیگ اپنے اخبار سرگزشت میں ہر ہفتہ ''نقش سلیمانی'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھتے جس میں مولانا (سیّد سلیمان اشرف) پر خوب لے دے کی جاتی۔ مولانا کے معتقدین میں سے ایک صاحب نے مولانا سے اجازت چاہی کہ اِس بکواس کا جواب دیا جائے، مگر مولانا نے منع فرمادیا اور کہا تلوار کی جنگ ہو یا قلم کی، بہادروں سے لڑی جاتی ہے، بیسواں سے نہیں۔ یہ خبر مرزا صاحب تک کسی نے پہنچادی اُس کے بعد سے ''نقش سلیمانی'' ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔'' (۲۸)

قارئین محترم! مندرجہ بالاحوالوں سے پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے ایمانی معتقدات اوردینی و سیاسی مسلکی وابستگی کی مکمل وضاحت ہوجاتی ہے۔ جہاں تک اُن کے دیگر مکتبہ فکر کے اہل علم ودانش کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ بات طے ہے کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے روابط بہت وسیع تھے اور اُن کے حلقہ احباب میں مختلف مکاتیبِ فکر کے لوگ شامل تھے۔ بقول علامہ اقبال۔

؎ جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مری کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

چنانچہ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں ''مرحوم کی ایسوں ایسوں سے بھی گہری دوستی تھی جن کو دین ومذہب سے دور کا بھی سروکار نہیں (تھا) اور ایسوں سے بھی تھی جو اپنے وقت کے بڑے جید عالم دین سمجھے جاتے تھے۔ ہر شخص محبت واحترام کے جذبات لے کر آتا تھا اور مطمئن ومسرور واپس جاتا۔ جس سے طبیعت نہ ملتی

کبھی اُس کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ مرحوم کی صحبتوں میں بیٹھ سکے۔ مرحوم اِس معاملے میں بڑے کھرے تھے، کبھی دنیا سازی کی خاطر کسی کی تالیفِ قلب نہ کی۔'' (۲۹)

سیّد سلیمان اشرف کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی فرماتے ہیں ''مولانائے ممدوح کے تعلقات وروابط اپنے معاصرین سے خواہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں اور حکام دار العلوم سے ہمیشہ خوشگوار رہے۔'' (۳۰)

سید بدرالدین احمد ''عظیم آباد کی تہذیبی داستان میں رقمطراز ہیں کہ ''مولانا اگرچہ علی گڑھ کالج میں دینیات کے پروفیسر تھے مگر پوری یونیورسٹی پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ سب سے الگ رہتے تھے مگر لوگ اُن کو اپنے سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہیں نہیں جاتے تھے، مگر اُن کے یہاں معمولی حیثیت کے لوگ بھی، بڑے بڑے تعلقدار بھی، علماء اور فضلاء بھی، سیاسی رہنمایان بھی اور اعلیٰ حکام بھی آتے تھے۔ مولانا سبھوں سے بڑے اخلاق سے ملتے اور اپنی صحبت میں اِس بات کو نمایاں طور پر ملحوظ رکھتے کہ مساوات واخلاق کے ترازو کا پلہ کسی سے ملنے میں کم وبیش نہ ہو۔

وہ حق بیں تھے مصلحت بیں نہ تھے۔ اِسی لیے حق کے مقابلے میں مصلحت اندیشی کو برابر بُرا سمجھتے رہے۔ اُن کی یہی حق بینی اور حق پسندی یونیورسٹی سے باہر اور یونیورسٹی کے اندر ہر معرکے میں اُن کی کامیابی کی دلیلیں تھیں۔ اُن کو اپنے پرانے عقائد اور اپنے اُصولوں پر اعتماد کلی تھا ...... اُن کے شناسا اور اُن سے ملنے والے ہزاروں تھے۔ مگر اُن کی ہر ایک سے دوستی نہ تھی۔'' (۳۱)

قارئین محترم! یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ متذکرہ چند حوالے جو کہ عینی شاہدین کے ذاتی تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہیں، کو مدنظر رکھتے ہوئے سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے مذہبی معمولات، روایات اور اُصول ومعتقدات کی جو تصویر بنتی ہے، اُس کے مطابق سیّد سلیمان اشرف صاحب ایک راسخ العقیدہ سنّی حنفی مسلمان تھے۔ محدث بریلوی کے خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا دینی وسیاسی مسلک محدثِ بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے عقیدے ونظریے کے اظہار میں جری وبیباک تھے۔ اُنہیں کسی سے ڈرنا، جھجکنا اور گول مول باتیں کرنا سخت ناپسند تھا۔ غیر اسلامی شعار اور اسلام دشمنوں کی حمایتیوں کے سخت مخالف تھے۔ کفار ومشرکین سے کسی قسم کی مداہنت روا رکھنے کے قائل نہیں تھے۔ اور وہ شک وتشکیک کے بجائے ہمیشہ ایمان ویقین کی راہوں کے مسافر رہے۔ اُن کے دیگر مکاتیب فکر کے افراد سے باہمی روابط وتعلقات کے حوالے سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

خلاصہ کلام:- مندرجہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنزیل الصدیقی کے مضمون کے مندرجہ بالا پیراگراف کے آخری حصے میں کہی گئی بات بڑی عجیب لگتی ہے۔ موصوف ایک طرف تو سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑا جری وبیباک اور کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرنے والا مجاہد قرار دیتے ہوئے اُن کی اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن دوسری جانب خود ہی سیّد صاحب کا دینی وسیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق قرار دیتے ہوئے انہیں وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی دونوں باتیں باہم متصادم اور ایک دوسرے کی نفی کرتی ہیں۔

جناب کی بات سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں جری وبیباک اور کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرنے والا ہو۔ جو معتقدات میں کٹر ومتصلب ہو اور ساتھ ہی وہ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے ساتھ اپنا دینی وسیاسی مسلک محدث بریلوی کے مسلک کے مطابق رکھتا ہو، اور اُنہی کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ کیسے سلامت روی، وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی ہوسکتا ہے؟ کیا محدث بریلوی کے ساتھ عقیدت ومحبت اور شدت سے وابستگی رکھنے والوں میں ایسی کوئی اچھوتی مثال نظر آتی ہے؟

صد سالہ عرس رضوی کے سلسلہ میں
حضرت احسن میاں صاحب کی اپیل

۲۵ صفر المظفر ۱۴۴۰ھ میں سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت کے وصال کو ۱۰۰ سال پورے ہونے جارہے ہیں۔ ۱۴۴۰ھ/نومبر ۲۰۱۸ء میں صد سالہ عرس رضوی ہوگا۔ رضویات پر کام کرنے والی تنظیمیں تحریکیں، جماعتیں، اکیڈمیاں، لائبریریاں اور ادارے ابھی سے صد سالہ عرس رضوی کو مثالی اور تاریخ ساز بنانے میں جٹ جائیں۔ ہر خطے میں تشہیری مہم شروع کردیں۔ اپنے علاقوں میں منعقد ہونے والے جلسوں، جلوسوں، عرسوں وغیرہ میں "صد سالہ عرس رضوی مبارک ہو" لکھے ہوئے بینر اور پوسٹر ضرور شائع کریں۔ سنی رسائل و جرائد صد سالہ عرس رضوی کی مناسب سے خصوصی شمارے نکالنے کی تیاری کریں۔ تصنیفی اور تالیفی ادارے اور مکتبے تصنیفات اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کریں۔ صد سالہ عرس رضوی کے مبارک موقع پر رضویات پر کام کرنے والے علما، شعرا، مشائخ، قلمکار، مضمون نگار، مصنفین، مدرسین، مقررین اور دانشور حضرات کو ایوارڈ سے نوازنے کا جگہ جگہ اہتمام فرمائیں۔

(محمد احسن رضا قادری سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف)

Monthly "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. NO. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P./BR-175/15-17
PUBLISHING DATE : 14th
POSTING DATE : 18th] EVRY ADVANCE MONTH
PAGES : 64 PAGE WITH COVER WEIGHT : 80 GRM

Rs. 20/- Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian) June- 2017

دعوت خیر

طالبان علوم نبویہ کے قیام وطعام، منظر اسلام کے تمام شعبوں کے عروج وارتقا، دارالافتا کے عمدہ واحسن انتظام، لائبریریوں کی آرائش وزیبائش، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی مسلسل اشاعت، رضا مسجد کی زیب وزینت، خانقاہ رضویہ کی تب وتاب اور عرس رضوی کے وسیع انتظامات میں دل کھول کر حصہ لیں۔

Printed Published & Owned by Mohammad Subhan Raza Khan "Subhani Mian" Printed at Raza Barqi Press, Moh. Saudagran Bareilly & Published at Office of Monthly Aala Hazrat 84, Saudagran Street Bareilly (U.P.)